ہفت روزہ

# ندائے خلافت

لاہور

۲۳ / دسمبر ۱۹۹۶ء

☆ حقائق کو تسلیم کرنے کی بجائے طاقت کا بھونڈا استعمال کیا گیا : ڈاکٹر اسرار احمد

☆ شیخ مجیب اور یحییٰ خان کے درمیان افہام و تفہیم ہو چکی تھی لیکن... : ایڈمرل احسن

☆ میں مشرقی پاکستانیوں کو اس سانحے کا ذمہ دار نہیں ٹھہراتا : جنرل ایم ایچ انصاری

اشاعت خصوصی بحوالہ

## سقوطِ مشرقی پاکستان

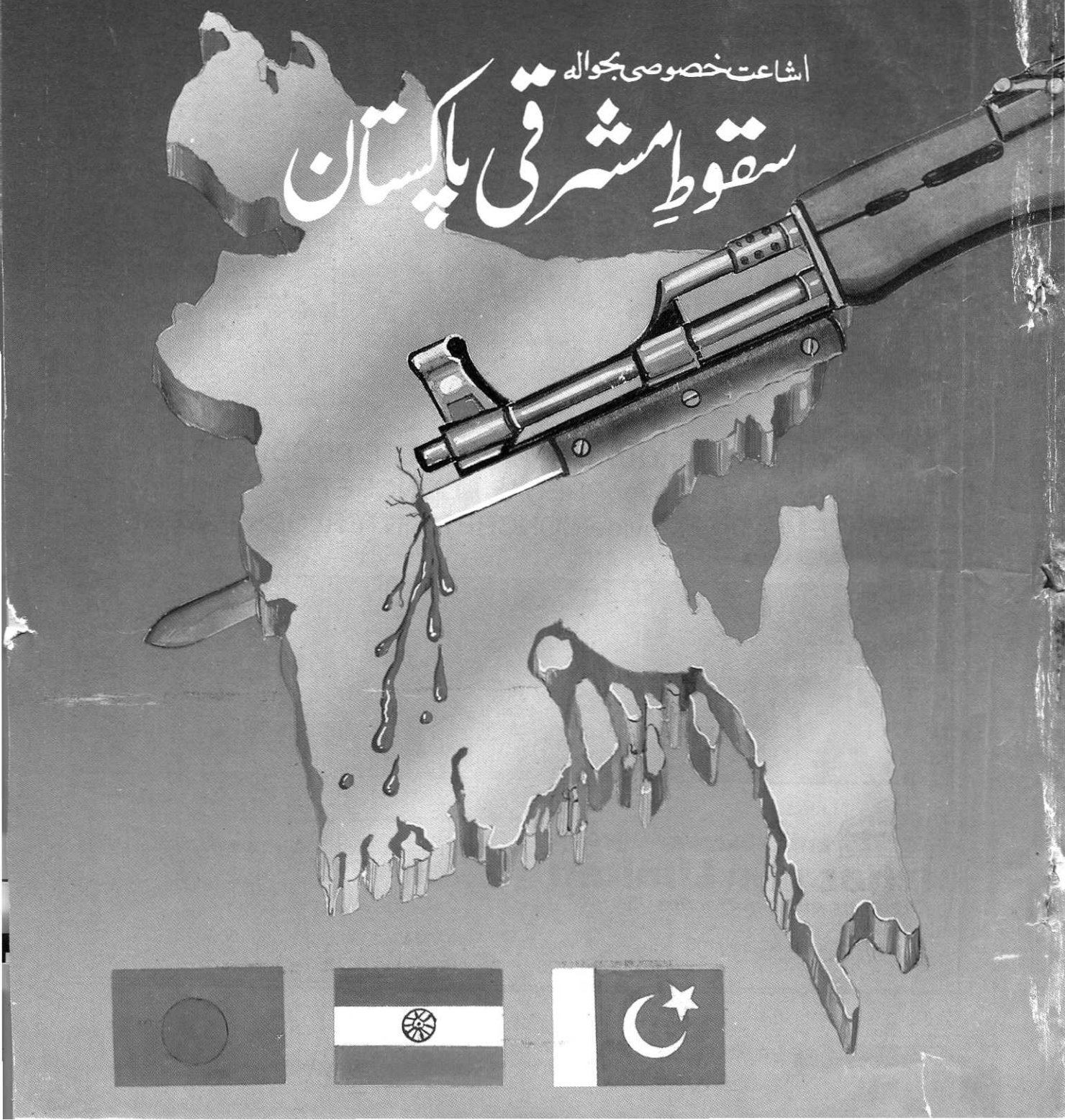

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

# ندائے خلافت

ہفت روزہ — لاہور


بانی مدیر : اقتدار احمد مرحوم

جلد ۵ شمارہ ۴۶

۲۳/ دسمبر ۹۶ء

25

مدیر

حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات

تحریک خلافت پاکستان

۴ ۔ اے، مزنگ روڈ، لاہور

مقام اشاعت

۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون : ۳-۵۸۶۹۵۰۱

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع : رشید احمد چودھری
مطبع : مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ : ۸ روپے
سالانہ زر تعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۸ روپے

زر تعاون برائے بیرون پاکستان

☆ ترکی، ایران، مصر ۱۳/ امریکی ڈالر
☆ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، یورپ، جاپان ۲۰ امریکی ڈالر
☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ ۲۶ امریکی ڈالر

اس شمارے کی قیمت ۲۰ روپے

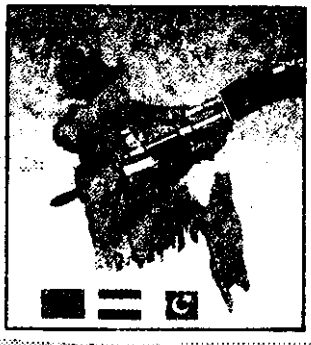




## اس شمارے کی جھلکیاں

○ حقائق کو تسلیم کرنے کی بجائے طاقت کا بھونڈا استعمال کیا گیا
یوم سقوط مشرقی پاکستان کی تقریب سے ڈاکٹر اسرار احمد کا فکر انگیز خطاب

○ ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء سے ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء تک
سانحہ مشرقی پاکستان کی تاریخ وار روداد

○ شیخ مجیب الرحمٰن اور یحییٰ خان کے درمیان افہام و تفہیم ہو چکی تھی لیکن ـــ
حمود الرحمٰن کمیشن کے سامنے سابق گورنر ایڈمرل ایس ایم احسن کا بیان

پاکستان کیسے ٹوٹا، کس نے توڑا؟
عبدالکریم عابد کا تجزیہ

پاکستان توڑنے کا ذمہ دار کون ہے؟
انٹرویوز : ○ جنرل اعظم خان ○ خواجہ سید خیرالدین
○ جناب محمود علی ○ پیر محسن الدین

ملاقاتیں
○ بنگالی مسلمان علیحدگی کے ذمہ دار نہیں'
قصوروار ہم ہیں! : میجر جنرل محمد حسین انصاری
○ ہم نے جغرافیائی حقائق نظر انداز کر دیئے : ڈاکٹر اسرار احمد
○ شیخ مجیب الرحمٰن سے ایک ملاقات کی روداد
بھٹو سے میں نے کہا تھا کہ "وہ لوگ میرے بعد تمہاری کھال بھی کھینچ لیں گے"

○ کلمہ شہادت ـــ ایک قسط وار شہید
پاکستان کے ایک پروانہ وار عاشق مولوی فرید احمد کی روداد شہادت

○ شیخ مجیب الرحمٰن کے قتل کی کہانی
شیخ حسینہ واجد کی زبانی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# وَلَنُذِیْقَنَّھُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَکْبَرِ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ○

# الہدیٰ

"اور ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے لازماً چھوٹے عذاب کا مزا چکھائیں گے تاکہ وہ پلٹ آئیں"○ (سورۃ السجدہ' آیت ۲۱)

بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب بھیج کر قوموں کو سنبھلنے کا موقع فراہم کرنا اللہ کی سنت ہے۔

کیا سقوط مشرقی پاکستان کا حادثہ فاجعہ عذاب الٰہی کا کوڑا نہیں تھا جو مسلمانانِ پاکستان کی پیٹھ پر برسا؟ حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں!

کیا ہم نے اس عظیم تاریخی سانحے سے کوئی سبق سیکھا؟ کیا ہم اسے اللہ کی جانب سے ایک وارننگ سمجھ کر اصلاح احوال کی جانب متوجہ ہوئے؟ کیا "فطرت کی ان تعزیروں" سے ہم نے کوئی اثر لیا؟

کیا ہم نے اجتماعی توبہ کی جانب توجہ کی' اور کیا سابقہ خطاؤں کی تلافی کی غرض سے ہم نے مملکت خداداد پاکستان کو اسلام کے نظام عدل اجتماعی اور اصول حریت و اخوت و مساوات کا مثالی نمونہ بنانے کے لئے عملی کوشش کا آغاز کیا؟--- تاکہ قیام پاکستان کے وقت ہم نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اور جسے ایفاء نہ کرنے بلکہ مسلسل ۲۵ برس تک عہد شکنی کرنے کی پاداش میں ۱۹۷۱ء میں اللہ کے عذاب کا کوڑا ہم پر برسا تھا' اس کے ایفاء کا سامان کیا جا سکتا؟

کیا ہم گزشتہ پچاس برس سے مسلسل اللہ اور اس کے دین سے غداری کے مرتکب نہیں ہو رہے؟ اور کیا ہم آج خود کو پہلے کے مقابلے میں اللہ کے عذاب کا زیادہ مستحق ثابت نہیں کر چکے؟

کیا ہم اللہ کی پکڑ سے بے خوف اور اس کے عذاب سے بالکل نچنت ہو گئے ہیں یا اللہ سے بڑھ کر طاقتور اور مضبوط کوئی سہارا ہمیں میسر آ گیا ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو پاؤں تلے روندنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے!

اگر قیام پاکستان کے ۲۵ برس بعد سقوطِ مشرقی پاکستان کی صورت میں ہم پر اللہ کے عذاب کا ایک بھرپور کوڑا برسا تھا تو کیا آج مزید ۲۵ برس گزرنے کے بعد اس سے سخت تر کوڑا نہیں برس سکتا؟

اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ ذٰلِکَ!

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

اے ہمارے رب! ہم ایسے انجام بد سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں'
اے پروردگار! ہم تیری جناب میں رجوع کرتے ہیں' ہمیں اس بات کی ہمت اور توفیق عطا فرما کہ ہم تیری معصیت اور گناہوں کو ترک کر دیں۔
ہمیں ہمت عطا فرما کہ ہم خود بھی تیرے سچے بندے بن جائیں اور تیرے عطا کردہ اس خطہ زمین پر تیرے ہی دین یعنی نظام خلافت کو قائم و غالب کر دیں کہ ہم اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ پاکستان کے استحکام ہی نہیں' بقا کا بھی واحد راستہ یہی ہے!
(آمین یا رب العالمین)

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

# غمِ ہجر

ہر سال دسمبر کا مہینہ آتے ہی ہمیں مشرقی پاکستان کی جدائی کا غم لوٹ آتا ہے۔ دسمبر کی ۱۶ تاریخ سقوط ڈھاکہ کی برسی کا دن ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر مذاکرے ہوتے ہیں' کالم لکھے جاتے ہیں' مضامین شائع ہوتے ہیں' مجالس کا اہتمام کیا جاتا ہے غرضیکہ ہر اعتبار سے دلسوزی کا مظاہرہ ہوتا ہے مگر اگلے ہی روز یعنی ۱۷ دسمبر کو اس سانحہ کی یاد ہم سے ایک سال کے لئے محو ہو جاتی ہے۔ ہمارے اس طرز عمل کا کوئی تجزیہ کرے تو یہ کہے بغیر نہ رہ سکے گا کہ کیسے لوگ ہیں جو اس طرح سے قومی غم مناتے ہیں۔ ان کی زبانی روداد سنو تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے آج سے پچیس سال قبل آسمان گر پڑا تھا مگر ہر سال ان کے طرز عمل سے ایسے دکھائی دیتا ہے جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ اتنے دردناک واقعہ سے ایسا سطحی واسطہ! آسمان تو واقعی ٹوٹ پڑا تھا کہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست دولخت ہوئی مگر ہماری بے حسی آڑے آئی۔ دراصل دیگر اہم قومی معاملات کی طرح سقوط ڈھاکہ نے بھی ہمارے ہاں رسمی تقریبات کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ یہی ہمارا کلچر ہے' جذباتیت سے لبریز مگر تدبر سے عاری۔ یہ اس قوم کا وتیرہ ہے جس کے رب نے اپنے کلام پاک میں جگہ جگہ سوچ' عقل' غور' فکر اور تدبر کرنے کی نصیحت فرمائی۔

ہمیش کی طرح امسال بھی تحریر و تقریر میں ویسے ہی سوالات زیر بحث آئے ہیں مثلاً مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی تحریک کے اسباب و علل کیا تھے' اس سانحہ کا دراصل ذمہ دار کون تھا' کیا پاکستان کی فوجی شکست کو روکا جا سکتا تھا' پاکستانی فوج نے کس کے حکم پر ہتھیار ڈالے' پلٹن میدان ڈھاکہ میں ہتھیار ڈالنے کی رسمی تقریب کیوں ہوئی' وغیرہ۔ تعجب ہے کہ پچیس برس بیت چکے مگر ان بنیادی سوالات کا جواب حاصل نہ کیا جا سکا۔ اب ان سوالات کا جواب کون دے گا؟ اس سانحے سے متعلق تمام کردار تو راہ عدم کو چل دیئے اور حقیقت ڈھونڈ لانا ہماری عادت نہیں۔ ہمارے ہاں تحقیق کا عمل بھی واجبی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوم آج تک نہ جان سکی کہ بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کو ان کی زندگی کے آخری لمحات میں مناسب طبی سہولت کیوں مہیا نہ ہو سکی' ملک کے پہلے وزیراعظم خان لیاقت علی خاں کو کیوں قتل کیا گیا' جنرل ضیاء الحق والا جہاز کیونکر کریش ہوا۔ یہ ہماری قومی تاریخ کے اہم موڑ (turning points) ہیں۔ ہم آج تک ان کی وجوہات سے بے خبر ہیں تو ملک کے دولخت ہو جانے کے اسباب و علل کا کون پتہ چلائے گا۔ یہ سانحہ اب پہیلی کی شکل اختیار کر چکا ہے' کوئی بوجھے تو جانیں! اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے یحییٰ خاں اور ذوالفقار علی بھٹو کو مورد الزام ٹھہرا دینے سے معمہ حل نہیں ہوگا۔ اگر صرف یہی لوگ مجرم تھے تو ان کی زندگی کے دوران ان پر مقدمہ کیوں نہ چلایا گیا۔ جنرل ٹکا خاں' جنرل گل حسن' ایئر مارشل رحیم خاں' جنرل نیازی اور ان کے ساتھی جرنیلوں سے بھی کوئی پوچھ گچھ نہ ہوئی۔ اگر یہ کوتاہی تھی تو اس کی بھی کوئی وجہ ہوگی اور اگر ان پہ الزامات غیر معقول تھے تو کیا چھپانا مطلوب تھا؟ البتہ قوم پوچھنے کا حق رکھتی ہے کہ اگر اس وقت کے ارباب اقتدار نے بوجوہ اس عقدے کو حل کرنے کی ذمہ داری سے گریز کیا تو سیاسی' دینی' ادبی یا موروثی دانشوران قوم نے احتجاج کیوں نہ کیا؟ جو نظر وقت کی اوٹ کے پرے نہ دیکھ پائے اسے دانش کیونکر کہئے!

بہرصورت فوجی شکست کی وجوہات معلوم کرنے کیلئے حمود الرحمٰن کمشن تو بروقت قائم ہوا تھا جس کے روبرو اس سانحہ سے متعلق ہر منصب دار پیش ہوا اور اپنا بیان قلمبند کرایا۔ حیرت ہے کہ وہ رپورٹ بھی منظر عام پر نہ آسکی جو اس کمشن نے باضابطہ طور پر حکومت وقت کے حوالے کی تھی۔ حالانکہ اس کے بعد چار ایسی حکومتیں برسراقتدار آئیں جو ایک سے ایک کی دشمن تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ رپورٹ ذوالفقار علی بھٹو نے ضائع کرا دی تھی۔ ممکن ہے رپورٹ کی سرکاری کاپی سے ایسا ہی ہوا ہو مگر یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ اس رپورٹ کی کوئی کاپی نہ تو کمشن کے ممبران کے پاس تھی اور نہ ہی کہیں اور۔ اگر ایسا ہی تھا تو اس رپورٹ کے جو اقتباسات گاہے بگاہے شائع ہوتے رہتے ہیں وہ کہاں سے آئے۔ حال ہی میں ایک کتاب پاکستان دولخت ہونے کے موضوع پر مارکیٹ میں آئی ہے۔ اس میں بھی حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ سے کافی حوالہ جات درج ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں شاید یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سقوط ڈھاکہ کے قصہ پارینہ کو بھلا کر جو پاکستان بچا ہے اس کی خیر منانے کی فکر کریں۔ ○○

## ایڈیٹر کے ڈیسک سے

زیر نظر شمارہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد ہے کہ یہ پاکستان کی تاریخ کے ایک ایسے انتہائی تلخ باب کے تفصیلی تذکرے پر مشتمل ہے کہ جس کو ہم نے اب تک من حیث القوم فراموش کئے رکھنے ہی میں عافیت سمجھی اور حقیقت کا مواجہہ کرنے کی بجائے اس سے جی چرانے کو اپنا شعار بنائے رکھا ؎

وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی تھیں اچھا کیا جو مجھ کو فراموش کر دیا

یہ شمارہ جب تک قارئین کے ہاتھوں میں پہنچے گا' سقوط مشرقی پاکستان کے حادثہ فاجعہ کو ۲۵/ برس پورے ہو چکے ہوں گے۔ تحریک خلافت پاکستان نے' کہ "ندائے خلافت" جس کا آرگن ہے' دو سال قبل سقوط مشرقی پاکستان کے موضوع پر جناح ہال لاہور میں ایک بھرپور سیمینار منعقد کر کے ؎

تازہ خواہی داشتن گرداغ ہائے سینہ را گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

کے مصداق اس داغ کو تازہ اور احساس زیاں کو بیدار کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس سال بھی تحریک خلافت کے زیر اہتمام ۱۶/ دسمبر کو اس موضوع پر قرآن آڈیٹوریم' لاہور میں ایک سیمینار کے انعقاد کا پروگرام ترتیب دیا گیا ہے۔ زیر نظر شمارے کو بھی اس سلسلے کی ایک کڑی قرار دیا جا سکتا ہے۔

ہمارا یہ دعویٰ ہرگز نہیں ہے کہ ہم نے اس موضوع سے متعلق ممکنہ مواد اس شمارے میں جمع کر دیا ہے' نہ ہم اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم نے اس سانحے کے اسباب و علل کا احاطہ کر کے اس بات کا صحیح صحیح تعین کر دیا ہے کہ کون کتنا قصوروار تھا۔ تاہم یہ بات ہم ضرور کہہ سکتے ہیں کہ سقوط مشرقی پاکستان سے متعلق بہت سا اہم مواد' بالخصوص اس واقعے کے اسباب و عوامل کے بارے میں متعدد اصحاب خرد اور اہل علم و دانش کی آراء اور تجزیوں کو یکجا کر کے ہم نے قارئین کے لئے غور و فکر کا بہت کچھ سامان فراہم کر دیا ہے کہ جس کا مجموعی مطالعہ انہیں اس سانحے کے پس پردہ حقائق کے بہت قریب پہنچا سکتا ہے۔ اضافی طور پر اس پرچے میں چونکہ سقوط مشرقی پاکستان سے متعلق واقعاتی مواد بھی وافر مقدار میں موجود ہے اور اس سانحے کے ایک اہم کردار شیخ مجیب الرحمٰن کہ جن کے خیالات کو براہ راست جاننے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہ تھا' کے افکار و خیالات پر مشتمل ایک اہم مضمون بھی بعنوان "شیخ مجیب سے ایک ملاقات کی روداد" بھی شامل ہے' لہٰذا اس شمارے کو بجا طور پر سقوط مشرقی پاکستان کے موضوع پر ایک ایسی دستاویز قرار دیا جا سکتا ہے کہ جس میں اس سانحہ سے متعلق متعدد اہم گوشوں کا بخوبی احاطہ کیا گیا ہو۔

شیخ مجیب الرحمٰن سے تفصیلی ملاقات کرنے اور اس ملاقات کی روداد کو قلمبند کرنے والی شخصیت جناب محمد بدر منیر کی ہے جن کا نام قارئین ندائے خلافت کے لئے نامانوس نہیں کہ ان کے پر مغز اور معلومات افزاء مضامین اکثر و بیشتر ندائے خلافت کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ اس خصوصی اشاعت کو ترتیب دینے میں بڑا حصہ انہی کا ہے کہ اس میں شامل اکثر مضامین اور انٹرویوز انہی کے فراہم کردہ یا مرتب کردہ ہیں۔ یہاں مناسب ہوگا کہ میں اپنے ان رفقاء کار کا بھی شکریہ ادا کرتا چلوں کہ جن کے تعاون کے بغیر یہ خصوصی اشاعت منصہ شہود پر نہیں آ سکتی تھی۔ پرچے کو ترتیب دینے اور اسے قابل اشاعت بنانے میں محترم سردار اعوان' برادرم نعیم اختر عدنان اور عزیزم محبوب الحق عاجز کے تعاون کو بڑا دخل حاصل ہے اور اسے زیور طباعت سے آراستہ کرنے کا سہرا برادرم شیخ رحیم الدین کے سر بندھتا ہے کہ اس پرچے کے لئے ان کی محنت' لگن اور بھاگ دوڑ دیدنی تھی۔ شدید ناسپاسی ہوگی کہ اگر میں اپنے ان دو رفقاء کار' حافظ محبوب احمد اور سعید احمد نواز کا شکریہ ادا نہ کروں کہ جن کی شب و روز کی کاوش کے نتیجے میں نہایت قلیل اور مختصر وقت میں اس ضخیم پرچے کی کمپیوٹر کمپوزنگ ممکن ہوئی۔ اپنے دوست اور باصلاحیت آرٹسٹ برادرم ظفیر اللہ کا خصوصی شکریہ ادا کرنا بھی مجھ پر واجب ہے کہ جنہوں نے بے پناہ تعاون کا مظاہرہ کرتے ہوئے' خلاف معمول نہایت ہی کم وقت میں اس پرچے کے لئے دیدہ زیب ٹائٹل تیار کر دکھایا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء' اور سب سے بڑھ کر شکر کے لائق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو مسبب الاسباب ہے کہ جس کی تائید و توفیق کے بغیر ہم اپنے ارادے کو ہرگز پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتے تھے' بقول اکبر الہ آبادی مرحوم ؎

یہ عزم ترا سعی سے دمساز ہو کیونکر اسباب نہ ہوں جمع تو آغاز ہو کیونکر
اسباب کرے جمع' خدا ہی کا ہے یہ کام طالب ہو خدا سے تو' دعا ہی کا ہے یہ کام

فللہ الحمد والمنہ

## مرتب کا تعارف

محمد بدر منیر جنہیں بجا طور پر اس اشاعت خصوصی کا مرتب قرار دیا جا سکتا ہے' ایک کہنہ مشق صحافی ہیں جنہوں نے اپنے کیریئر کا آغاز ۱۹۵۲ء میں روزنامہ "زمیندار" سے کیا۔ آبائی تعلق بہار سے ہے۔ بارہ تیرہ برس کے تھے جب پاکستان بنا۔ قیام پاکستان کے بعد لاہور کو اپنا مسکن بنایا' زندگی کا کافی حصہ کراچی میں بھی گزرا۔ پیشہ ورانہ مصروفیات کے ضمن میں مشرقی پاکستان آمد و رفت کا سلسلہ ۵۴ء میں شروع ہو گیا تھا جو سقوط مشرقی پاکستان تک برقرار رہا۔ بدر منیر سیماب وش طبیعت کے مالک ہیں۔ ان کے صحافتی سفر کا آغاز روزنامہ زمیندار سے ہوا تھا لیکن پھر وہ کہیں رکے نہیں۔ پاکستان کا کونسا معروف روزنامہ ہے جس سے وہ وابستہ نہ رہے ہوں!۔ روزنامہ امروز' روزنامہ آزاد لاہور' روزنامہ تعمیر راولپنڈی اور روزنامہ انجام کراچی/پشاور سے تو باقاعدہ وابستگی رہی' نوائے وقت' جنگ اور اخبار جہاں کے لئے بھی باقاعدگی سے مضامین لکھتے رہے۔ مشرقی پاکستان میں کچھ عرصہ جماعت اسلامی سے تعلق رہا' پھر کچھ عرصہ عوامی لیگ کے قریب رہے۔ اس دوران شیخ مجیب الرحمٰن سے ملاقات کے متعدد مواقع انہیں حاصل ہوئے۔ وہ ۱۹۷۰ء میں امروز اور پاکستان ٹائمز کے نمائندے کے طور پر مشرقی پاکستان منتقل ہو گئے تھے۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن کے موقع پر وہ وہیں مقیم تھے۔ سقوط مشرقی پاکستان کے چشم دید گواہوں میں ان کا نام بھی آتا ہے۔ بنگلہ دیش سے ان کی واپسی فروری ۱۹۷۲ء میں ہوئی۔

# ہم سے پہلی غلطی یہ سرزد ہوئی کہ ہم نے جغرافیائی حقائق کو نظرانداز کیا

## میں یہ بات مانتا ہوں کہ انسانی جذبات نے جغرافیہ کو شکست دی ہے

# مسلم لیگ کوئی منظم جماعت نہیں بلکہ صرف ایک تحریک تھی

# حقائق کو تسلیم کرنے کی بجائے طاقت کا بھونڈا استعمال کیا گیا

## علیحدگی کا فیصلہ ریفرنڈم یا پھر مذاکرات کی میز پر بھی کیا جا سکتا تھا

**اگر مغربی پاکستان ایک یونٹ رہتا اور مشرقی پاکستان بھی ایک یونٹ تو پھر شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات پر بھی معاملہ طے ہو جاتا تو قطعاً گھاٹے کا سودا نہیں تھا**

تحریک خلافت پاکستان کے زیر اہتمام منعقدہ یوم سقوط مشرقی پاکستان کے ایک جلسے سے

### امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا فکر انگیز خطاب

یہ بتانے ضرورت نہیں ہے کہ سقوط مشرقی پاکستان پوری دنیا کی تاریخ کے اعتبار سے بھی اہم واقعات میں سے ہے اور اس کی اہمیت اس اعتبار سے بھی بہت زیادہ ہے کہ امت مسلمہ کو بیسویں صدی کے نصف آخر اور چودھویں صدی ہجری کے ربع آخر میں جن دو عظیم ترین صدمات سے دوچار ہونا پڑا' ان میں سے ایک سقوط مشرقی پاکستان ہے۔ پہلا حادثہ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے نتیجے میں یروشلم پر یہودیوں کے قبضے' مصر' شام اور شرق اردن کی شرمناک شکست اور اسرائیل کی عظیم توسیع کی صورت میں پیش آیا۔ قرآن حکیم کی رو سے اس امت مسلمہ کے دو حصے ہیں' پہلا حصہ "اُمیّین" یعنی عرب مسلمانوں پر اور دوسرا حصہ "آخرین" یعنی غیر عرب مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے یعنی "اُمیّین" کے لئے عظیم ترین حادثہ ۱۹۶۷ء کی شرمناک شکست ہے' جبکہ "آخرین" میں جو عظیم ترین اسلامی مملکت قائم ہوئی تھی' اس کے لئے عظیم ترین سانحہ سقوط مشرقی پاکستان ہے جو ۱۹۷۱ء میں پیش آیا۔ پھر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جہاں تک پاکستان کی تاریخ کا تعلق ہے تو اگرچہ اور بھی حوادث ہیں کہ جن سے ہمیں دوچار ہونا پڑا' لیکن سقوط ڈھاکہ واقعتاً آج تک کا سب سے بڑا حادثہ ہے۔

### حوادث و مصائب کے بارے میں بنیادی قرآنی اصول

ایسے حوادث کے بارے میں' میں چاہتا ہوں کہ پہلے قرآن کریم' کتاب ہدایت سے کچھ بنیادی اصول سمجھ لئے جائیں۔ اس لئے کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ یہ حوادث الل ٹپ نہیں ہوتے۔ اس کائنات میں کوئی شے بھی اذن رب کے بغیر حرکت نہیں کرتی' اور اذن رب حکمت کے ساتھ ہوتا ہے' یہ سنت اللہ کے تابع ہے۔ ان حوادث کے حوالے سے پہلی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ ہرگز ظالم نہیں ہے۔ وہ خود قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ "وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ" یعنی "میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں"۔ اتنا بڑا حادثہ' اتنی بڑی تباہی اور اتنی شرمناک شکست' بہرحال اللہ کا ظلم نہیں ہے۔ یہ بات قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے پانچ مرتبہ فرمائی ہے: "وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ" یعنی "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حق میں ہرگز ظالم نہیں ہے"۔

دوسری بات یہ کہ یہ حوادث تمام تر انسانوں کے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہیں۔ میں نے سورۃ الشوریٰ کی آیت مبارکہ تلاوت کی ہے: "وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ" یعنی "جو بھی مصیبت تم پر آتی ہے تو یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کے باعث ہے"۔ اس کے بعد فرمایا کہ "وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ" یعنی "ابھی بہت سی چیزوں سے تو وہ درگزر فرماتا رہتا ہے"۔ اگر پروردگار ساری غلطیوں کی سزا دے تو زمین پر کوئی ایک انسان بھی چلتا ہوا نظر نہ آئے۔ اللہ تو بہت درگزر کرتا ہے۔ بہرحال دوسرا قاعدہ و کلیہ یہ ہے کہ یہ حوادث انسانوں کے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

ان حوادث کے وقوع پذیر ہونے کے حوالے سے تیسری بات بڑی اہم ہے۔ اور وہ یہ کہ کسی بھی قوم پر اتنا بڑا سانحہ اور حادثہ فاجعہ صرف چند لوگوں کے کرتوتوں کے نتیجے میں ظہور پذیر نہیں ہوتا۔ ایسے واقعات اس وقت وقوع پذیر ہوتے ہیں جب قوم میں اجتماعی طور پر فساد پیدا ہو چکا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ افراد کی برکتیں تو پھیل سکتی ہیں کہ پوری قوم پر سائبان بن جائیں' جیسا کہ نیکیوں کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ دس گنا سے سات سو گنا تک بھی اجر دے گا' لیکن گناہ کی سزا بالکل حساب کے مطابق ملتی ہے' زیادہ نہیں ملتی۔ اجر تو اللہ تعالیٰ بغیر حساب کے عطا فرما دیتا ہے۔ اسی طرح افراد کے فسق وفجور اور جرائم پر اللہ تعالیٰ پوری قوم کو اتنی بڑی سزا نہیں دیا کرتا۔ درحقیقت یہ سزا اس وقت ملتی ہے جب قوم معتدبہ تعداد میں اجتماعی سطح پر جرائم کا ارتکاب کر رہی ہو۔ یعنی جب جرائم معمول کی صورت اختیار کر لیتے ہیں تو اتنے بڑے حوادث رونما ہوتے ہیں۔

لیکن جب قوم کے اجتماعی کرتوتوں پر سزا آتی ہے تو پھر چونکہ قانون یہ ہے کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پستا ہے۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ "وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً" (الانفال : ۲۵) یعنی "اور بچتے رہو اس فساد سے کہ جو تم میں سے خاص ظالموں ہی پر نہیں پڑے گا"۔ تو اللہ کی پکڑ سے' اس کے عذاب سے اور اس کی سزا سے ڈورا کیونکہ جب اجتماعی فساد ہو جائے تو جو لوگ اس فساد میں ملوث نہ ہوں وہ بھی مجرم قرار پاتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے ظالموں کو روکا کیوں نہیں ہے۔ چنانچہ پھر جب سزا آتی ہے تو وہ لوگ جو چاہے اس گناہ اور جرم میں بالفعل شریک نہیں بھی تھے انہیں بھی سزا مل کر رہتی ہے۔

پانچویں بات یہ کہ جہاں تک اس قسم کے حوادث کی آخری "Stages" کا معاملہ ہے تو اس میں قرآن حکیم کے الفاظ "وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ" یعنی "ان میں سے وہ شخص کہ جس نے سب سے بڑا گناہ کما لیا" کے مصداق کچھ افراد یقیناً نمایاں ہو جاتے ہیں۔ لیکن بہرحال یہ نہ سمجھئے کہ یہ درحقیقت صرف چند افراد کی سازش کا نتیجہ ہے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی نوٹ کریں کہ اتنا بڑا حادثہ تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا کہ ہمارے ترانوے ہزار جوان بچے اور عورتیں ہندو کے قیدی بنے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اتنی بڑی شکست کسی فوری سبب کا نتیجہ نہیں ہوا کرتی بلکہ اس کا ایک طویل پس منظر ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ مہلت دیتا ہے۔ جب تک پے بہ پے غلطیاں نہ ہو رہی ہوں اور جرائم نہ کئے جا رہے ہوں اس وقت تک وہ اتنی بڑی سزا نہیں دیتا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے عدل' اس کے فضل وکرم اور شان غفاری سے بالکل بعید ہے۔

> یہ بات میں بھی مانتا ہوں جو جنرل انصاری صاحب نے کہی ہے کہ مجموعی طور پر اوسطاً ایک مغربی پاکستانی کے مقابلے میں ایک مشرقی پاکستانی زیادہ ذہین ہے۔ آپ کے یہاں جو تبلیغی اجتماع ہوتا ہے اس میں زیادہ سے زیادہ آٹھ لاکھ افراد جمع ہوتے ہیں جبکہ بنگلہ دیش میں چھبیس لاکھ کا اجتماع ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلم لیگ نے وہاں جنم لیا اور یہی وجہ تھی کہ متحدہ بنگال میں ایک لمبے عرصے تک خواجہ ناظم الدین وزیر اعلیٰ رہے۔ یہاں آپ کے ہاں تو آخری وقت تک "نیو نیشن" پر گورنمنٹ رہی ہے' مسلم لیگ کی حکومت یہاں ایک دن کے لئے بھی نہیں بنی۔ سرحد میں آخری وقت تک کانگرس کی حکومت تھی۔ لے دے کے اگر کوئی تھا تو اس پاکستان میں صرف سندھ تھا جہاں مسلم لیگ کی حکومت تھی۔ اور اس وقت صورت حال یہ ہے کہ وہ سندھ بھی اب کہہ رہا ہے کہ ع "میں بازآیا محبت سے اٹھا لو پان دان اپنا"۔ یہی دو صوبے تو "پاکستانی اور مسلم لیگی" صوبے تھے۔ یہ "Disillusion" تھا' بقول شاعر "خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا' جو سنا افسانہ تھا"۔ ان کے علاوہ باقی چھوٹے چھوٹے فیکٹرز اور بھی بہت سے ہیں۔ مثلاً ہمارے جو C.S.P. آفیسرز وہاں جاتے تھے ان کا رویہ اور کردار بالکل تو آبادیاتی نظام کی عکاسی کرتا تھا' جس طرح جنرل صاحب نے تذکرہ کیا۔ الا ماشاء اللہ مخلص قسم کے لوگ بھی تھے' لیکن یہ معدودے چند تھے' اکثر و بیشتر انہیں نفرت کے ساتھ ہی دیکھتے تھے۔ بالکل یہی معاملہ سندھ میں ہوا ہے اور اس کا ردعمل بھی اسی طرح ہوا ہے۔
>
> (ڈاکٹر اسرار احمد)

## قومی اور اجتماعی غلطیاں

میں نے قرآن مجید سے ان موضوعات سے متعلق اللہ تعالیٰ کی سنتیں آپ کے سامنے رکھی ہیں' جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا" یعنی "تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے" ان کے پیش نظر میں ایک ذرا طویل اور گہرا تجزیہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ یہ ہماری قومی اور اجتماعی غلطیاں ہیں۔ اس میں کچھ ہمارے کرتوتوں کا بھی دخل ہے' کچھ جرائم ہمارے بھی ہیں۔ اگر ان کو نہیں سمجھیں گے تو آئندہ بھی تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی۔ اسی لئے میں نے آپ کو آیت سنائی ہے کہ "عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا" (بنی اسرائیل : ۸) یعنی "تمہارا رب تو تم پر رحم کرنے کے لئے تیار ہے' لیکن اگر تم نے پھر وہی روش اختیار کی تو ہم بھی پھر وہی کچھ کریں گے"۔ اس لئے کہ یہ اللہ کا قانون ہے۔ اپنے لچھن درست کرو' اپنے اعمال صحیح کرو تو ہم تم پر رحم کریں گے۔ لیکن اگر پھر اعادہ کرو گے' پھر وہی کچھ کرو گے تو ہم بھی وہی کچھ کریں گے جو پہلے کیا۔ وہی سزائیں ملیں گی' بلکہ اس سے بڑے پیمانے پر ملیں گی۔ اور یہ تو دنیا کی سزا ہے' "وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا" ابھی تو آخرت میں ہم نے ایسے نافرمانوں کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ بہرحال اس وقت کچھ غلطیوں پر گفتگو سننے کے لئے حوصلہ رکھئے۔ اس میں ہماری قیادت عظمیٰ پر تنقید بھی آئے گی۔ اس لئے کہ ہماری قیادت عظمیٰ کوئی معصومین پر مشتمل نہیں تھی۔ لہٰذا آج جب کہ قیام پاکستان کو پچاس برس ہونے کو آئے ہیں' ہمیں اتنا بالغ نظر ہو جانا چاہئے کہ ہم ان کی خطاؤں پر بھی نگاہ ڈال سکیں۔

### (۱) قرارداد لاہور میں ترمیم

میری نظر میں حادثہ مشرقی پاکستان کا سب سے پہلا سبب ہماری قیادت عظمیٰ کی وہ غلطی ہے کہ جس کی بنیاد ۱۹۴۶ء میں ڈالی گئی۔ وہ غلطی یہ تھی کہ

۱۹۴۰ء کی قرارداد لاہور میں ترمیم کر کے "states" کے لفظ کو "state" میں تبدیل کر دیا گیا اور اس طرح مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کو ایک ملک بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ حالانکہ کسی حساب سے بھی یہ دونوں خطے ایک ملک نہیں بن سکتے تھے۔ اس لئے کہ ان دونوں کے درمیان ایک ہزار میل کا فاصلہ تھا۔ پھر درمیان میں اگر سمندر ہوتا تب بھی کوئی حرج نہیں تھا' انڈونیشیا کے جزیروں کے درمیان بھی سمندر موجود ہے' لیکن ہمارا معاملہ یہ تھا کہ درمیان میں دشمن کا علاقہ (Hostile Territory) تھا۔ ہمارا پیدائشی دشمن ملک درمیان میں تھا۔

> "صوبوں کی تقسیم میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس طرح اگر "ریاستہائے متحدہ پاکستان" وجود میں آ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ ایک مضبوط وفاقی نظام ضروری ہے"۔

لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ اتنی بڑی خطا کیسے ہو گئی؟ حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ کبھی بھی کوئی منظم جماعت نہیں تھی بلکہ صرف ایک تحریک تھی' اور تحریک میں جذبات کا غلبہ ہوتا ہے' ہوش پر جوش غالب ہوتا ہے۔ کسی بھی عوامی تحریک کے لئے دو چیزیں درکار ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی عوامی احساس ہونا چاہئے۔ مسلمانان ہند میں وہ احساس یہ تھا کہ ہندوستان میں ہندو ہمارے ساتھ انصاف نہیں کرے گا' وہ ہمیں "exploit" کرے گا' ہمارا استحصال کرے گا اور اپنی آٹھ سو برس یا ہزار برس کی غلامی کا انتقام لے گا۔ دوسری چیز عوامی تحریک کے لئے یہ ضروری ہوتی ہے کہ کوئی زبردست لیڈر ہو' جو اس احساس کو سامنے لائے اور اجاگر کرے۔ اس طرح کوئی بھی عوامی تحریک چل جاتی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قائداعظم بہت بڑے لیڈر تھے۔ انہوں نے ۳۷ء کے بعد سے مسلم لیگ کا چارج لیا اور اسے تحریک بنا دیا' جبکہ اس سے پہلے کی مسلم لیگ کو آپ "سروں" نوابوں اور جاگیرداروں کی بیٹھک کہہ لیجئے' اس سے زیادہ اس کی حقیقت نہیں تھی۔ جب مسلم لیگ کی تحریک اور تحریک پاکستان کے جذبات اپنے عروج پر تھے تو قرار داد لاہور میں متذکرہ بالا ترمیم کی گئی۔ دراصل یہ جذبات بنگال کے مسلمانوں کے تھے۔ بنگال سے مسلم لیگی لیڈر سہروردی تھے جنہوں نے قائداعظم کو قرار داد میں ترمیم کر کے ایک ملک بنانے پر مجبور کیا تھا۔ اس زمانے کا قائداعظم کا ایک جملہ ہے:

"The British press has talked about some geographical difficulties in the way of pakistan. May I ask them by what rule of geography are they here."

یعنی برطانوی پریس نے پاکستان کی سکیم کے بارے میں کچھ جغرافیائی مشکلات کا تذکرہ کیا ہے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ جغرافیے کے کس اصول کے تحت وہ ہندوستان میں ہیں۔ واقعتاً یہ جملہ بڑا پیارا ہے' جواب بڑا مسکت ہے۔ لیکن بہرحال اس سے حقائق تو نہیں بدل جاتے۔ یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اگر یہ دو ملک معرض وجود میں آتے تو ان دونوں کی ضرورت ہوتی کہ ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ اس لئے کہ ہندو کی ذہنیت بدلنے والی نہیں تھی۔ دونوں کو ہندو یا بھارت کی دست برد سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے ایک دوسرے کے تعاون کی ضرورت ہوتی۔ اگر علیحدہ علیحدہ ہوتے تو تعاون ہوتا۔ اس کے بالکل برعکس جب یکجا ہو گئے تو شکایتیں سامنے آئیں۔ فرض کیجئے کہ یہ تعاون اگر مزید آگے بڑھتا تو کنفیڈریشن بن سکتی تھی اور یہ کنفیڈریشن ایسی شے ہے جسے آپ جس وقت چاہیں ختم بھی کر سکتے ہیں۔ شاید آپ کو مرحوم Arab United Republic کا قصہ یاد ہو گا۔

بہرحال میرے نزدیک ہم سے پہلی غلطی یہ ہوئی کہ ہم نے جغرافیے کی اس درجے نفی کی کہ جغرافیائی حقائق کو بالکل نظرانداز کیا اور یہ بات میں مانتا ہوں کہ انسانی جذبات جغرافیے کو شکست دے دیتے ہیں اور یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ ایسا ہوا ہے۔ آخر جب یہ دونوں خطے ایک ملک بنے تو جذبات نے جغرافیے کو شکست دی یا نہیں دی؟ انسان اشرف المخلوقات ہے' اس میں اللہ نے بڑی قوتیں رکھی ہیں' اس کے لئے پوری کائنات مسخر کی ہے' اس کے سامنے سارے فرشتوں کو جھکا دیا گیا۔ تو انسانی جذبہ واقعتاً بہت بڑی شے ہے۔

## (۲) اسلام اور نظریہ پاکستان کی نفی

جس جذبے نے ہمیں ایک کر دیا وہ اسلام کا جذبہ تھا۔ تحریک پاکستان کی پشت پر نعرہ تھا "پاکستان کا مطلب کیا' لاالہ الا اللہ"۔ لیکن ہماری سب سے بڑی اور اصل غلطی یہ ہے کہ ہم نے قیام پاکستان کے بعد اس جذبے کی نفی کر دی' بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہو گا کہ اس کا گلا گھونٹ دیا۔ "اے بادصبا ایں ہمہ آوردۂ تست"۔ ہونا یہ چاہئے تھا کہ قیام پاکستان کے بعد فوری اعلان ہوتا کہ یہ ایک اسلامی ریاست ہو گی اور یہاں نظام خلافت کا قیام ہو گا اور اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہا جاتا کہ یہ تو "پان اسلام ازم" کی طرف پہلا قدم ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ گاندھی جی نے بڑے ممیاتے ہوئے قائداعظم سے یہ بات کہی تھی کہ آپ کے پاکستان کا مطلب "پان اسلام" تو نہیں؟ ہندو پان اسلام ازم کے نام سے کانپتا تھا۔ چنانچہ قیام پاکستان کے بعد واضح کر دیا جاتا کہ یہ تو پہلا قدم ہے' عالم اسلام کہاں سے کہاں جائے گا۔ لیکن ہم نے دونوں کی نفی کی۔

مسلم کی لیگ کی قیادت کے حوالے سے عرض کروں گا کہ نیتوں کا حال اللہ جانتا ہے' ہم نہیں جانتے۔ ہو سکتا ہے مسلم لیگ کی قیادت اپنے ذہن میں' اپنے دل میں خالص اسلامی نظریات رکھتی ہو اور اس نے یہ صرف مصلحت وقت کا تقاضا سمجھا ہو کہ اس وقت پوری دنیا کو دشمن نہ بنا لیا جائے۔ بہرحال چاہے ہم نے مصلحتاً کیا ہے' چاہے ہمارا نظریہ ہی یہ تھا' واللہ اعلم' بہرحال یہ حقیقت ہے کہ ہم نے دنیا کے سامنے پاکستان کو ایک جدید سیکولر مغربی ریاست کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے' چنانچہ اس کا پہلا وزیر قانون ایک ہندو اور پہلا وزیر خارجہ ایک قادیانی مقرر کیا گیا۔ ہمارے زوال کے پس منظر میں اصل بات ہی یہ ہے۔ یہ سو غلطیوں کی ایک غلطی ہے۔ آخر لوگ احمق اور کودن تو نہیں ہیں کہ یہ سب کچھ بھول جائیں۔ اگر "پاکستان کا مطلب کیا' لا الہ الا اللہ" کے نعرے نے پورے ہندوستان کے مسلمانوں کو متحرک کر دیا تھا اور ان میں ایک آگ بھر دی تھی تو بہرحال ان چیزوں سے اوس بھی پڑی ہے' جذبات ٹھنڈے پڑے ہیں اور جوش و خروش "steam out" ہوا ہے۔ اسلام کی طرف پیش قدمی نہ کر کے گویا ہم نے پاکستان کی پوری تحریک کی نفی کی ہے۔ قائداعظم کا یہ جملہ:

"Very soon Muslims will cease to be Muslims and Hindus will cease to be Hindus, not in the religious sense because religion is the priviate affair of the individual, but in the political sense."

پوری تحریک پاکستان کی نفی کر دینے والا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ سیکولرازم نہیں ہے تو سیکولرازم اور کس بلا کا نام ہے؟۔ ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو جا کر کہیں قرار داد مقاصد بڑی رد و قدح' بڑے لیت و لعل اور بڑے ہی بادل نخواستہ منظور ہوئی۔ لیکن اس سے پہلے جذبات پر بہت سی اوس پڑ چکی تھی' جذبات ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔ اور قرار داد مقاصد جس طور سے پاس ہوئی ہے وہ بھی لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ "ان کہنی" کہی گئی ہے۔ یہ بات پتہ نہیں آپ کو معلوم ہے یا نہیں کہ یوپی کے کچھ علاقوں میں جہاں مسلم تہذیب کا غلبہ تھا' ہندوؤں میں ایک رسم تھی کہ جب کوئی شخص نزع کی حالت میں بہت دیر تک رہتا اور اس کی جان نہ نکل رہی ہوتی تھی' اس وقت اسے کہا جاتا تھا کہ بھائی "ان کہنی" کہہ دے تا کہ تیری جان نکل جائے۔ تو جب وہ "لا الہ الا اللہ" کہہ دیتا تھا تو اس کی جان نکل جاتی تھی۔ سو یہ "ان کہنی" ہے جو قرار داد مقاصد کی صورت میں کہی گئی ہے۔

اس کا جو دوسرا بہت بڑا نتیجہ نکلا وہ یہ کہ مغربی جمہوری اصولوں کے مطابق ملکی دستور بنانا ہمارے لئے ناممکن ہو گیا۔ اس لئے کہ مغربی جمہوریت کا اصول تو "one man, one vote" ہے' اور یہ اس کا ایسا اصول ہے جس کی آپ کسی صورت میں خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ آپ کس کو نظر انداز کریں گے اور کس کا حق غصب کریں گے؟ جبکہ ہمارا حال یہاں یہ تھا کہ "for all practical purposes" مغربی پاکستان ہی گویا کہ اصل پاکستان ہے۔ رقبہ دیکھئے ترقی کے امکانات دیکھئے' ذرائع و وسائل دیکھئے اور عالم اسلام کے ساتھ متصل ہونا دیکھئے۔ گویا اصل پاکستان اور "Primary Pakistan" یہ بنتا ہے۔ اس کے مقابلے میں مشرقی پاکستان تو ایک جزیرہ تھا۔ اس لئے کہ اس کے ایک طرف برما اور دوسری طرف بھارت ہے۔ اس کے علاوہ رقبہ محدود تھا اور آبادی بے انتہا۔ یہاں کی آبادی وہاں کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ چنانچہ ۱۲/ مارچ ۴۹ء کو جو قرار داد مقاصد پاس ہوئی تو ساتھ ہی ایک "Basic Principles Committee" بنا دی گئی کہ اب اس ملک کے لئے جو دستور ہمیں بنانا ہے اس کے بنیادی اصول کیا ہوں گے۔ اس کی پہلی رپورٹ ڈیڑھ سال بعد ستمبر ۵۰ء میں آئی تھی۔ اس رپورٹ پر دو اعتراضات ہوئے۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ اس میں اسلام کا سرے سے ذکر نہیں تھا۔ گویا کہ قرار داد مقاصد کی حیثیت تو ایسی تھی جیسے سنیما کا افتتاح کرنے کے لئے تلاوت قرآن کرائی جائے۔ باقی اصل دستور جو بننا تھا اس میں اسلام کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں تھا۔ لہٰذا اس کی وجہ سے جذبات پر مزید اوس پڑ گئی۔ گویا یہ واضح طور پر نظر آنے لگا کہ قرار داد مقاصد پاس کر کے بھی ان کی اسلام کی طرف آنے کی نیت نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں دو ایوان تجویز کئے گئے۔ ایوان بالا میں ہر صوبے کو مغربی دستوری اصولوں کے مطابق مساوی نمائندگی دی جانی تھی۔ مشرقی پاکستان کے لوگوں نے کہا کہ ہمیں یہ منظور نہیں ہے' اس طرح تم ہمیں اقلیت میں تبدیل کر رہے ہو۔ اس لئے کہ ایوان بالا میں تو پھر ان کا صرف پانچواں حصہ ہوتا' کیونکہ ایوان بالا میں آبادی کا حساب نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ رپورٹ ختم ہو گئی۔ اس کے بعد ۵۲ء میں "B.P.C" کی رپورٹ دوبارہ آئی تو اس میں "پیریٹی" کی گئی۔ یعنی دونوں ایوانوں کے اندر مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے برابر ارکان ہوں گے اور مغربی پاکستان میں پھر صوبوں کی آبادی کے تناسب سے تقسیم ہو جائیں گے۔ مشرقی پاکستان کے لوگوں نے پھر کہا کہ یہ ہماری حق تلفی ہے۔ اب اگر آپ مغربی جمہوریت کے مطابق چلنا چاہتے ہیں تو اس کے اصولوں کو قبول کرنا ہو گا۔ گویا ہمارے گلے میں مغربی جمہوریت کا طوق پڑ گیا۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ ایک طرف تو دین کے حوالے سے سارا جذبہ سرد ہو گیا۔ گویا پوری تحریک کا صغریٰ کبریٰ ختم ہو کر رہ گیا۔ اور دوسری طرف اس طوق کی وجہ سے کوئی دستور ہی نہ بن سکا۔ اس کے علاوہ سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اگر "one man one vote" کے اصول کو مان لیا جائے تو ترازو مشرقی پاکستان کے ہندو کے ہاتھوں میں جاتی تھی جو ایک کروڑ کی تعداد میں وہاں موجود تھا۔ وہ زیادہ بیدار' زیادہ منظم' زیادہ سرمایہ دار اور زیادہ تعلیم یافتہ تھا۔ وہ تو وہاں سکولوں اور کالجوں میں اسلامیات پڑھاتے تھے' جیسے آج امریکہ میں بڑی یونیورسٹیوں میں اسلامیات پڑھانے والے یہودی ہیں۔

یہ وجوہات تھیں کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی تک اس ملک کا کوئی دستور نہیں بن سکا اور ۲۶ برس تک یہ ملک بے دستور رہا ہے۔ اس خلا سے آخر کوئی نتیجہ تو برآمد ہونا ہی تھا۔ مجھے یاد ہے جب میں یہاں میڈیکل کالج میں پڑھتا تھا اور اسلامی جمعیت طلبہ کا ناظم اعلیٰ تھا' ان دنوں "عزم" کے نام سے ہمارا ایک پندرہ روزہ رسالہ نکلتا تھا' جس کا آخری صفحہ خطوط و آراء کے لئے مختص تھا' جس کا عنوان جلی حروف میں یہ شعر ہوا کرتا تھا کہ ؎

اس سوچ میں کلیاں زرد ہوئیں' اس فکر میں غنچے سوکھ گئے
آئیں گلشن کیا ہو گا' دستور بہاراں کیا ہو گا؟

حیرت کی بات ہے کہ ملک کا دستور ہی بننے میں نہیں آ رہا تھا۔ بہرحال ایک بات نوٹ کیجئے کہ مغربی پاکستان میں شامل صوبوں سندھ' پنجاب' سرحد اور بلوچستان کے لوگوں کے درمیان فرق و تفاوت اتنا نہیں ہے جتنا مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے لوگوں میں تھا۔ وہاں تو سرے سے کوئی قدر مشترک سوائے مذہب کے تھی ہی نہیں۔ زبان لے لیجئے' لباس لے لیجئے' خورد و نوش کا معاملہ لے لیجئے' کلچر لے لیجئے' یہاں تک کہ جس شے کا بھی نام لیں وہ ہم سے مختلف ہے۔ یہاں کی عورتوں کا لباس اور وہاں کی عورتوں کے لباس میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ پٹھان اور بلوچی عورت تو ایک بنگالی مسلمان عورت کو ویسے ہی برہنہ سمجھے گی۔ اصل رشتہ اسلام کا تھا' لیکن اس کی ہم نے نفی کی۔ چنانچہ ہم دوہرے مخمصے میں پھنس گئے۔ ایک تو یہ کہ اپنے نیچے سے ہم نے زمین اور جڑ بنیاد ہی کھسکا دی' اور دوسرے یہ کہ ہمارے لئے

> "اصل سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم نے اس سانحہ سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ ہر شخص اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے کہ اس کے شب و روز میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی ہے؟ اس کے مشاغل اور دلچسپیوں میں سرمو کوئی فرق واقع ہوا ہے؟ کسی کی زندگی کا نقشہ بدلا ہو' اس کی ترجیحات بدلی ہوں' کسی نے حرام خوری چھوڑی ہو' کسی نے سودی معاملہ چھوڑا ہو؟"

عقدۂ لاینحل یہ بن گیا کہ دستور بنائیں تو کیسے بنائیں؟

## (۳) قومی زبان کا مسئلہ

تیسری اور بہت بڑی غلطی ہم سے قومی زبان کے تعین کے ضمن میں ہوئی' جو دراصل دوسری غلطی ہی کا تتمہ ہے۔ تحریک مسلم لیگ کے دوران تو معاملہ یہ تھا کہ اردو ہی پاکستان کی زبان اور مسلم لیگ کی زبان ٹھہری۔ اقبال نے "بانگ درا" میں اپنے ظریفانہ کلام میں کہا ہے کہ ؎

اے شیخ و برہمن سنتے ہو' کیا اہل بصیرت کہتے ہیں
گردوں نے کتنی بلندی سے ان قوموں کو دے پٹکا ہے
یا باہم پیار کے جلسے تھے' دستور محبت قائم تھا
یا بحث میں اردو ہندی ہے' یا قربانی یا جھٹکا ہے

اس لئے کہ سکھ کے ساتھ جھگڑا قربانی اور جھٹکے کا تھا اور ہندو کے ساتھ ہندی اور اردو کا۔ پاکستان بننے کے بعد معلوم ہوا کہ تحریک کے دور کا جذباتی معاملہ اور اس کی فضا اور ہوتی ہے جبکہ حقائق کچھ اور ہوتے ہیں۔ پاکستان کی سرکاری زبان کیا ہو' یہ بہت اہم مسئلہ تھا۔ اس وقت اردو کو سرکاری اور قومی زبان کے طور پر ٹھونسنے کی بہت بڑی غلطی کی گئی۔ اس غلطی کی ذمہ دار ہماری ٹاپ کی قیادت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں حالات کا کوئی صحیح اندازہ تھا ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قائداعظم کی عین زندگی کے اندر مشرقی پاکستان میں فساد اور بغاوت ہوئی اور قائداعظم کو شدید علیل ہونے کے باوجود وہاں جانا پڑا۔ لیکن اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ مشرقی پاکستان میں "بنگلہ بھاشہ" کی تحریک اردو کو زبردستی مسلط کرنے کا ردعمل تھا۔ اس پاکستان میں بھی سندھی زبان کسی صورت میں بھی اردو زبان کی بالادستی گوارا کرنے کو تیار نہیں ہے۔ یہ حقائق ہیں جن سے کبھی بھی آنکھیں چرانا نہیں چاہئیں۔ اردو کی بالادستی پشتو مان لے گی' بلوچی مان لے گی' پنجابی تو مانے ہی ہوئے ہے' بلکہ پنجاب کی تو زبان ہی اردو ہے۔ خاص طور پر یہاں کے مہذب لوگوں کی' لیکن سندھی اس کے لئے کبھی تیار نہیں ہوں گے' اس لئے کہ ان کا دعویٰ ہے اور وہ بہت قوی ہے کہ ہماری زبان قدیم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اردو تو کل کی چھوکری ہے' اس کی کل تاریخ تین چار سو برس سے زیادہ نہیں ہے' جبکہ سب سے پہلی تفسیر قرآن مجید کی جو غیر عربی میں لکھی گئی وہ سندھی زبان میں لکھی گئی۔

بہرحال اس ملک کے کچھ بہی خواہوں' جیسے سر آغا خان اور زاہد حسین مرحوم جو کہ سٹیٹ بینک آف پاکستان کے پہلے گورنر تھے' نے کہا تھا کہ پاکستان میں عربی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے۔ اگر قیام پاکستان کے بعد عربی زبان کی تعلیم لازمی قرار دے دی جاتی تو زیادہ سے زیادہ بیس برس میں عربی زبان پوری طرح سیکھی جا سکتی تھی۔ اس لئے کہ اگر انگریزی ہم نے اتنی سیکھ لی کہ انگریزوں کو پڑھا دیں تو کیا عربی نہیں سیکھ سکتے تھے؟ انگریزی تو بالکل الٹی زبان ہے جو بائیں طرف سے لکھی جانے والی leftist زبان ہے' جبکہ عربی rightist زبان ہے۔ ہماری "ا' ب' ت" عربی' فارسی سب کی ایک ہے اور اردو کی بھی وہی ہے۔ اس کے علاوہ پنجابی بھی اس میں لکھی جاتی ہے۔ ہمارے لئے عربی سیکھنا اس لئے بھی مشکل نہ تھا کہ یہ ہمارے دین کی' قرآن کی اور رسولؐ کی زبان ہے۔ لیکن اس زبان کا رشتہ چونکہ دین سے جڑتا تھا اور ہمارے ہاں دین ہی سے تو فرار ہو رہا تھا' دین کو تو صرف انفرادی معاملہ بنانا پیش نظر تھا' لہٰذا ہمارے اکابرین عربی زبان بطور سرکاری زبان کیسے مان لیتے؟ میں نے چند سال پہلے جب اندرون سندھ کا دورہ کیا تھا تو مجھے ایک کتاب دی گئی تھی جو اسی زمانے میں ایک سندھی سکالر کی شائع کردہ تھی کہ عربی کو سرکاری زبان بنائیے' ہم اسے اپنانے کے لئے تیار ہیں۔ بہرحال عربی ہوتی تو اسے پنجابی بھی پڑھتا' اردو والا بھی پڑھتا اور سندھی بھی پڑھتا۔ ان سب کو ایک نئی زبان سیکھنی پڑتی۔ اس طرح یہ معاملہ پیش نہ آتا کہ اردو سپیکنگ کو ایک ترجیح حاصل ہو گئی کہ اسے اس کی مادری زبان میں پڑھایا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ تعلیمی میدان میں آگے جائے گا اور اس کی ڈویژن بہتر آئے گی' کیونکہ اسے اس کی مادری زبان میں تعلیم دی جا رہی ہے۔ اس لئے سندھی اڑ گیا کہ اس طرح میرا بچہ "handicap" رہ جائے گا۔ سب سے پہلے بنگالی اس کے خلاف کھڑا ہو گیا۔ یہ بات آپ کو شاید معلوم نہ ہو کہ ڈھاکہ یونیورسٹی میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کے ساتھ صرف اتنی سے بات پر انتہائی توہین آمیز سلوک کیا گیا کہ انہوں نے علمی انداز میں یہ بات کہہ دی تھی کہ دو سو سال قبل بنگلہ زبان بھی اسی طرح ا' ب' ت' میں لکھی جاتی تھی۔ یعنی بنگلہ زبان کا رسم الخط یہی تھا جو عربی' فارسی اور اردو کا ہے' بعد میں جب اس کا رسم الخط بدل دیا گیا تو یہ زبان علیحدہ ہو گئی۔ چنانچہ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اسے ہم پڑھ ہی نہیں سکتے۔ ورنہ بنگلہ بھاشہ بھی اگر ا' ب' ت' کے حوالے سے لکھی جائے تو ہمارے لئے پچھتر فیصد قابل فہم ہے۔ اس طرح وہ اجنبیت اور دوری ختم ہو جائے۔ لیکن اتنی سی بات کہنے پر انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ تحریری طور پر اپنے الفاظ واپس لیں' تب یہاں سے نکلنے دیا جائے گا۔

## (۴) مارشل لاء کا نفاذ

اب میں چوتھی بڑی غلطی کی طرف آتا ہوں۔ متذکرہ بالا سب چیزوں کا جو نتیجہ نکلا اس کے لئے انگریزی زبان کا ایک لفظ "disillusionment" کافی ہے۔ یعنی لوگوں کی خوش فہمیاں دور ہونے لگیں اور وہ سوچنے لگے کہ یہ کہاں کا اسلام ہے؟ یہ ملک کس لئے حاصل کیا گیا تھا اور ہم جا کدھر رہے ہیں؟۔ یہ بات میں بھی مانتا ہوں جو جنرل انصاری صاحب نے کہی ہے کہ مجموعی طور پر اوسطاً ایک مغربی پاکستانی کے مقابلے میں ایک مشرقی پاکستانی زیادہ مذہبی ہے۔ آپ کے یہاں جو تبلیغی اجتماع ہوتا ہے اس میں زیادہ سے زیادہ آٹھ لاکھ افراد جمع ہوتے ہیں جبکہ بنگلہ دیش میں پچیس لاکھ کا اجتماع ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلم لیگ نے وہاں جنم لیا اور یہی وجہ تھی کہ متحدہ بنگال میں ایک لمبے عرصے تک خواجہ ناظم الدین وزیر اعلیٰ رہے۔ یہاں آپ کے ہاں تو آخری وقت تک "یونینسٹ" گورنمنٹ رہی ہے' مسلم لیگ کی

> "مغربی پاکستان میں شامل صوبوں سندھ' پنجاب' سرحد اور بلوچستان کے لوگوں کے درمیان فرق و تفاوت اتنا شدید ہے جتنا مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے لوگوں میں تھا۔ وہاں تو سرے سے کوئی قدر مشترک سوائے مذہب کے تھی ہی نہیں۔ زبان لے لیجئے' لباس لے لیجئے' خورد و نوش کا معاملہ لے لیجئے' کلچر لے لیجئے' یہاں تک کہ جس شے کا بھی نام لیں وہ ہم سے مختلف ہے"۔

حکومت یہاں ایک دن کے لئے بھی نہیں بنی۔ سرحد میں آخری وقت تک کانگرس کی حکومت تھی۔ لے دے کے اگر کوئی تھا تو اس پاکستان میں صرف سندھ تھا جہاں مسلم لیگ کی منسٹری تھی۔ اور اس وقت صورت حال یہ ہے کہ وہ سندھ بھی اب کہہ رہا ہے کہ ع "میں باز آیا محبت سے اٹھالو پان دان اپنا"۔ یہی دو صوبے تو "پاکستانی اور مسلم لیگی" صوبے تھے۔ یہ "Disillusion" تھا' بقول شاعر ع "خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا' جو سنا افسانہ تھا"۔ ان کے علاوہ باقی چھوٹے چھوٹے فیکٹرز اور بھی بہت سے ہیں۔ مثلاً ہمارے جو C.S.P. آفیسرز وہاں جاتے تھے ان کا رویہ اور کردار بالکل نو آبادیاتی نظام کی عکاسی کرتا تھا' جس طرح جنرل صاحب نے تذکرہ کیا۔ الاماشاء اللہ مخلص قسم کے لوگ بھی تھے' لیکن یہ معدودے چند تھے' اکثر و بیشتر انہیں نفرت کے ساتھ ہی دیکھتے تھے۔ بالکل یہی معاملہ سندھ میں ہوا ہے اور اس کا ردعمل بھی اسی طرح ہوا ہے۔

بہرحال اس وقت میں جس چوتھی بڑی غلطی کا ذکر کرنے والا ہوں وہ مارشل لاء کا نفاذ ہے۔ گویا جلتی پر تیل کا کام مارشل لاء نے کیا ہے۔ مارشل لاء کا مطلب فوج کی حکومت ہوتا ہے اور فوج صرف مغربی پاکستان کی تھی' مشرقی پاکستان کا اس میں کوئی حصہ نہیں تھا۔ گویا فوجی حکومت کا مطلب مشرقی پاکستان پر مغربی پاکستان کی حکومت تھا اور مشرقی پاکستانیوں کے نزدیک مغربی پاکستان سے مراد پنجاب تھا۔ چنانچہ وہ کہتے تھے کہ "ہم نے پنجابیوں کا غلام بننے کے لئے پاکستان نہیں بنایا تھا"۔ ان کی یہ دلیل قوی تھی' جسے آج بھی رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ ان کے سامنے حقائق تھے' ان کے پاس اعداد و شمار تھے۔ آخر وہاں ایک کروڑ ہندو کی شکل میں جو دشمن بیٹھا ہوا تھا انہوں نے تو ہمارے اتحاد کو سبوتاژ کرنا ہی تھا' لیکن ان کے ہاتھ میں ہتھیار تو ہم نے دیئے تھے۔ یہی ہندو پہلے بھی وہاں موجود تھا اس کے باوجود پاکستان بنا۔ لیکن جب آپ نے اپنی منزل ہی بدل لی' اپنا قبلہ و کعبہ ہی تبدیل کر دیا' آپ نے اسلام کے بجائے مغرب کی سیکولر جمہوریت کو اپنا اصل الاصول قرار دیا تو پوری تحریک ہی کی نفی ہو گئی۔ اس جلتی پر تیل کا کام فوج کی حکومت نے کیا۔

یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ فوج کی حکومت کیوں آئی۔ آیا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عذاب تو نہیں تھا؟ یہ اس لئے آئی کہ مسلم لیگ پارٹی تھی ہی نہیں' وہ تو ایک تحریک تھی۔ اور تحریک کا اصول یہی ہوتا ہے کہ ایک دفعہ مقصد حاصل ہو جائے تو پھر ختم ہو جایا کرتی ہے۔ مسلم لیگ کے مقابلے میں کانگریس ایک پارٹی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک بھارت میں اس کی حکومت رہی ہے۔ درمیان میں تھوڑا سا عرصہ آیا تھا کہ "جنتا دل" اور کچھ دوسرے گروپوں کی حکومت بنی ورنہ تقسیم ہند کے بعد سے کانگریس ہی کی حکومت رہی ہے۔ کم از کم چالیس برس تک تو اس کی حکومت چلتی رہی۔ اس لئے کہ وہ ایک پارٹی تھی' جس میں cadres تھے' ڈسپلن تھا اور دستور تھا۔ جبکہ مسلم لیگ صرف تحریک تھی۔ درحقیقت اس وقت کے حالات کا تقاضا ہی کچھ ایسا تھا۔ صورت حال ایسی تھی کہ فرصت تھی ہی نہیں کہ اس کی تنظیم اور استحکام کی طرف توجہ دی جاتی۔ لیکن حقیقت کو تو بہرحال ماننا پڑے گا کہ مسلم لیگ ایک پارٹی نہ تھی۔ خود قائداعظم کہتے تھے کہ میری جیب میں کھوٹے سکے ہیں۔ اب اس سے بڑی گواہی اور کس کی درکار ہے۔ لہٰذا پاکستان بن گیا اور مسلم لیگ تحلیل ہو گئی۔ تھوڑا عرصہ سول بیوروکریسی نے عیش کئے' اس کے بعد آرمی نے نظم و نسق سنبھال لیا۔ لیکن اس کے نتیجے میں احساس محرومی شدت سے ابھرا۔ اور پھر جو اعداد و شمار آتے تھے کہ ہماری کل آمدی کا اتنا بڑا حصہ فوج پر خرچ ہوتا ہے جبکہ فوج ساری مغربی پاکستان کی ہے تو مشرقی پاکستانیوں میں یہ احساس روز بروز شدت اختیار کرتا گیا کہ مغربی پاکستان کی حیثیت ہمارے لئے "Parasite" کی ہے' یہ کھاتے ہیں' کماتے ہم ہیں۔ اس سے جو آگ لگی ہے یہ اس کا نتیجہ ہے کہ "جگتو فرنٹ" نے مسلم لیگ کو وہ عبرت ناک شکست دی کہ ۱۹۵۴ء میں اسے تین سو میں سے صرف دس سیٹیں ملی تھیں۔ آٹھ برس میں اتنا انقلاب عظیم کیسے آگیا! کہاں وہ ۴۶ء کے اعداد و شمار جو آپ ابھی جنرل صاحب سے سن چکے ہیں اور کہاں دس برس میں اتنی بڑی تبدیلی!!

> "ہمارے زوال کا علاج یہ ہے کہ رجوع کریں اپنی اس اصل کی طرف جس کے لئے پاکستان بنایا تھا۔ بقول اقبال ع "علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی" افراد بھی توبہ کریں اور اپنی معاش اور معاشرت میں سے غیر اسلامی چیزیں نکال دیں۔ پھر پوری قوم توبہ کرے اور اجتماعی توبہ کے لئے ایک مضبوط جماعت ہو جو منکرات کے خلاف طاقت کے ساتھ جہاد کرے۔ یہ جماعت پاور پالیٹکس کے کسی کھیل میں شریک نہ ہو"۔

### (۵) دارالحکومت کی اسلام آباد منتقلی

اس ضمن میں پانچویں غلطی دارالحکومت کا کراچی سے اسلام آباد منتقل ہونا تھی جس نے گویا آخری کیل ٹھونک دی۔ کراچی ایک cosmopolitan شہر تھا۔ اس کے علاوہ یہ شہر ساحلی تھا' چنانچہ مشرقی پاکستان کے ساتھ اس کے روابط سمندری اور بحری بھی تھے اور وہ سستے تھے۔ ہوائی سفر تو اس وقت بہت گراں تھا اور صرف سرمایہ داروں ہی کے لئے تھا۔ لیکن وہاں سے دارالحکومت اسلام آباد منتقل کیا گیا۔ اس وقت بھی بڑے مخلص مشرقی پاکستانیوں نے کہہ دیا تھا کہ پاکستان کے خاتمے کا نقطہ آغاز ہے۔ بہرحال نتیجہ یہ نکلا کہ ع "میں باز آیا محبت سے' اٹھالو پان دان اپنا!"

### (۶) طاقت کا بھونڈا استعمال

مذکورہ بالا غلطیوں کے علاوہ ہماری آخری اور ہمالیہ جیسی غلطی جس نے باقی ساری غلطیوں کے اوپر مہر تصدیق ثبت کر دی وہ ہمارا حقائق کو تسلیم نہ کرنا ہے۔ ۵۴ء ہی میں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ مشرقی پاکستان کی فضا بدل چکی ہے۔ لیکن مسئلہ کی اصل حقیقت کو سمجھے بغیر طاقت کا استعمال کرنا ہماری وہ آخری غلطی ہے کہ جس نے سارے معاملے کو اپنے آخری منطقی انجام تک پہنچا دیا۔ اس وقت اس ضمن میں تین "کاش" آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ اگرچہ مجھے معلوم ہے کہ یہ لفظ ممنوع ہے۔ حضورؐ کی حدیث

"ان کلمۃ لو تفتح عمل الشیطن" اس لئے کہ جو ہوا ہے اذن رب سے ہوا ہے لہٰذا یہ کہنا کاش ایسا ہو جاتا' مناسب نہیں ہے۔ لیکن انسان اپنے خیالات اور سوچ کو اس انداز میں بیان کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ گویا یہ اس کے خیالات کی تعبیر کا ایک انداز ہے۔ اب میں وہ تین "کاش" بیان کرنا چاہتا ہوں۔

(۱)--- کاش صدر ایوب پاکستان کے ڈیگال بن گئے ہوتے۔ فرانس کے صدر ڈیگال نے الجزائر میں ریفرینڈم کرایا۔ ان سے پوچھا کہ بھائی ہمارے ساتھ رہنا چاہتے ہو یا نہیں؟ اگر نہیں رہنا چاہتے تو جاؤ! ہاں کتنے عرصے تک جنگ ہوتی رہی' کتنے ہی فرانسیسی مارے گئے' دوسری طرف الجزائری بھی اپنی جانیں دے رہے تھے۔ پھر مسلسل جنگ کی وجہ سے فرانس کی ترقی رکی ہوئی تھی' اس لئے کہ اس کے سارے وسائل اس جنگ میں کھپ رہے تھے۔ یہ بات آپ کو یاد ہوگی کہ اس دور میں تین بڑے قد آور ملٹری لیڈر تھے' فرانس کے صدر ڈیگال' مصر کے صدر ناصر اور پاکستان کے صدر ایوب خان۔ قد آور ہونے میں صدر ایوب بھی ان سے کم نہیں تھے' کاش کہ فہم و فراست کے حوالے سے بھی وہ ڈیگال ثابت ہوتے۔ میں نے جون' جولائی ۱۹۶۹ء کے میثاق میں مضمون لکھا تھا کہ ہم مشرقی پاکستان کے لوگوں کو جبراً اپنے ساتھ ہرگز نہیں رکھ سکتے' اس لئے خدا کے لئے ان سے ریفرینڈم کرائیے کہ وہ پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر رہنا چاہتے ہیں تو کن شرائط پر رہنا چاہتے ہیں؟ یہ بات ان سے پوچھ کر طے کیجئے۔ اس کے برعکس اگر جبر کریں گے تو اس کے نہایت خطرناک نتائج نکلیں گے۔ اس لئے کہ دنیا کی کوئی طاقت مشرقی پاکستان کو زبردستی اور جبر کے ساتھ مغربی پاکستان کے ساتھ نہیں رکھ سکتی۔

یہاں یہ بات بھی واضح کرتا جاؤں کہ میں کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں۔ حقائق کو دیکھنا اور بات ہے اور سیاست کے میدان میں عملاً شریک ہونا ایک دوسری بات ہے۔ بہر حال اگر اس وقت مشرقی پاکستان میں ریفرینڈم کرا دیا جاتا تو اس بات کا بھی امکان تھا کہ پاکستان کے حق میں فیصلہ ہوتا۔ لیکن آپ نے تو انہیں آپشن دیا ہی نہیں۔ اگر پاکستان کے حق میں فیصلہ نہ بھی ہوتا تو بھی ٹیبل پر بیٹھ کر معاملہ طے ہو سکتا تھا' خواہ اس کا نتیجہ علیحدگی کی صورت ہی میں نکلتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ سب سے مقدس رشتہ میاں اور بیوی کا ہے لیکن اس میں بھی علیحدگی کی اجازت ہے' اگرچہ طلاق کے بارے میں آنحضورؐ نے "ابغض الحلال الی اللہ" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں' یعنی اللہ کے نزدیک یہ حلال چیزوں میں سے ناپسندیدہ ترین ہے۔ اگر علیحدگی کا معاملہ احسن انداز میں ہو جاتا تو وہ ردعمل تو نہ ہوتا جو کہ انہوں نے "مشرقی پاکستان" کا لیبل اتار کر خلیج بنگال میں پھینک دیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ دونوں جرمنی علیحدہ ہوئے لیکن انہوں نے اپنا نام نہیں بدلا۔ اسی طرح دو کوریا اور دو یمن آج بھی ہیں۔ کوئی بھی اپنا نام چھوڑنے کو تیار نہیں ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مشرقی پاکستان میں ردعمل اس قدر شدید تھا کہ علیحدگی کے بعد بنگلہ دیش کے پہلے وزیر خارجہ ڈاکٹر کمال حسین نے کہا تھا کہ

"We do not like to be called a muslim country"

یعنی "ہم اپنے آپ کو ایک مسلمان ملک کہلوانا بھی پسند نہیں کرتے۔"

آپ نے اسلام کو چھوڑا' انہوں نے کہا ہم مسلم بھی نہیں رہنا چاہتے' آخر ہمیں اسلام کے نام پر جمع کیا تھا' ہمیں احیائے اسلام اور پان اسلام ازم کے خواب دکھائے گئے تھے' لیکن ہمارے ساتھ آپ نے کیا کیا ہے؟۔

(۲) --- کاش کہ ہمارے ہاں کے نام نہاد جمہوریت نواز اور مغربی جمہوریت کے پرستاروں بشمول مذہبی جماعتوں نے صدر ایوب کو مجبور کر کے اگر تلہ سازش کیس ختم نہ کرایا ہوتا۔ کاش وہ یہ حرکت نہ کرتے۔ لیکن ؎

کیا امامانِ سیاست' کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہو!
یہ وہی ابلیس کا چکر ہے کہ ؎
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر

اور ابلیس کی اس "ہو" کے زیر اثر ہماری سب مذہبی جماعتیں بھی جمہوریت' جمہوریت کا شور مچاتی رہیں اور اس شور کے نتیجے میں اگر تلہ سازش کیس ختم کرایا گیا' جس کے نتیجے میں مجیب ہیرو بن کر نکلا۔ کاش کہ ایسا نہ ہوا ہوتا۔

(۳)--- اب میں تیسرے "کاش" کی طرف آتا ہوں۔ اگرچہ حالات کے خراب ہونے کا ایک طویل پس منظر تھا' لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس میں شخصیات کا کردار بھی بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے' چنانچہ سانحہ مشرقی پاکستان میں بھٹو اور مجیب الرحمن کے کردار کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تو حمود الرحمان کمیشن کی رپورٹ سامنے آئے تو پتہ چلے کہ اس ضمن میں کس کا کیا رول تھا۔ اس وقت میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کاش یحییٰ خان الیکشن کے اعلان کے ساتھ مغربی پاکستان کا "ون یونٹ" ختم نہ کرتا۔ اس کا مثبت نتیجہ یہ نکل سکتا تھا کہ اگر یہ "ون یونٹ" ہوتا اور مشرقی پاکستان بھی ایک یونٹ تو اس صورت میں اگر شیخ مجیب الرحمن کے چھ نکات پر بھی معاملہ طے ہو جاتا تو قطعاً گھاٹے کا سودا نہیں تھا۔ گویا کہ یہ ایک طرح کی کنفیڈریشن ہو جاتی۔ لیکن ان چھ نکات کا اگر یہاں کے صوبوں پر اطلاق کیا جاتا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ یہاں بھی چار ریاستیں وجود میں آتیں۔ اس کے برعکس اگر یہاں "ون یونٹ" برقرار رہتا تو دو ریاستیں بن جاتیں۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ یہ سب "کاش" ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہم نے کسی معاملے میں کہیں بھی سمجھ داری کا ثبوت نہیں دیا اور غلطی پر غلطی کرتے چلے گئے تو پھر "شامت اعمال ماصورت نادر گرفت"۔ اب "صورت نادر" میں بھٹو کو شمار کر لیں یا مجیب کو' لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب ہماری شامت اعمال ہے۔ یہ بونے سے لوگ بظاہر بہت اہم کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں لیکن ان کی اہمیت اصل معاملات کے اندر وہ نہیں ہوتی جو بظاہر نظر آتی ہے۔ ان معاملات کا ایک طویل پس منظر ہوتا ہے۔

**"پاکستان کے استحکام کے لئے اسلام کے سوا اور کوئی بنیاد سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ اگر ہم اسلام کی طرف نہیں آئے تو اللہ کے عذاب کا دوسرا کوڑا بھی ہماری پیٹھ پر پڑے گا۔ اللہ ہمیں اس انجام بد سے بچائے اور توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔"**

## سقوط ڈھاکہ
## عذاب الٰہی کا کوڑا : ہماری بدعہدی کی سزا

یہ باتیں جو میں نے عرض کی ہیں وہ عقلی' منطقی'

سیاسی اور دستوری نوعیت کی ہیں۔ اب میں سو باتوں کی ایک بات آپ سے عرض کرتا ہوں کہ قرآن کی تشخیص کی رو سے ہمارے ساتھ کیا ہوا ہے؟ قرآن حکیم کی تشخیص یہ ہے کہ یہ اللہ سے بدعہدی کی سزا ہے جو ہمیں ملی ہے۔ اور یاد رکھئے کہ یہ سزا کی پہلی قسط تھی' سزا کا دوسرا کوڑا جو پڑنے والا ہے وہ اس سے بھی شدید تر ہوگا۔ اور اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کیا اور توبہ نہ کی تو یہ کوڑا ہماری پشت پر لازماً پڑے گا' ضرور پڑے گا۔ سورۃ التوبہ کی آیات ۷۵ تا ۷۷ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قانون بیان ہوا ہے۔ چنانچہ منافقین کے بارے میں فرمایا:

"ان میں سے کچھ لوگ وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے ایک عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے نواز دے گا (غنی کر دے گا) تو خوب صدقہ خیرات کریں گے اور صالح بن جائیں گے۔ پھر جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا تو انہوں نے بخل کیا اور پیٹھ موڑ لی اور اعراض کیا (گویا بھول گئے کہ کیا وعدے کئے تھے) چنانچہ اللہ نے سزا کے طور پر ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا' اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے"۔

میں نے ہائی سکول کے طالب علم کی حیثیت سے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے کارکن کے طور پر تحریک پاکستان میں کام کیا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ عیدین اور اجتماعات جمعہ میں گڑگڑا کر دعائیں مانگی جاتی تھیں کہ اے اللہ! ہمیں ہندو اور انگریز کی دوہری غلامی سے نجات عطا فرما۔ اگر تو ہمیں ان سے نجات عطا کر دے گا اور ایک آزاد خطہ زمین ہمیں عطا کر دے گا تو ہم وہاں تیرے دین کا بول بالا کریں گے' وہاں تیرے نبی ﷺ کے دین کا نفاذ کریں گے۔ پورا برعظیم "پاکستان کا مطلب کیا' لا الہ الا اللہ" کے نعروں سے گونج اٹھا تھا۔ لیکن جب اللہ نے ہمیں آزادی کی نعمت سے نواز دیا تو ہم نے اللہ سے کئے گئے وعدے کو بھلا دیا' چنانچہ "فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ" کے مصداق سزا کے طور پر اللہ نے ہمارے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا۔ یہ اللہ کا قانون ہے جو ہم پر صد فیصد لاگو ہوا ہے۔

نفاق کی دو شکلیں ہیں جو بدقسمتی سے آج پاکستانی معاشرے کا شناختی نشان بن چکی ہیں۔ نفاق کی ایک صورت وہ ہے جسے "نفاق عملی" کہتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے ایک قول مبارک کے مطابق منافق کی چار علامتیں ہیں: "اذا حدث کذب' واذا اؤتمن خان' واذا وعدا خلف' واذا خاصم فجر" حضور ﷺ نے فرمایا کہ چار اوصاف ایسے ہیں کہ جس میں یہ چاروں اوصاف پائے جائیں وہ کٹر منافق ہے' صد فی صد منافق ہے' لیکن اگر ان اوصاف میں سے کوئی وصف پایا جائے تو وہ اسی نسبت سے منافق ہے' جب تک کہ وہ اس سے باز نہیں آتا۔ وہ چار چیزیں یہ ہیں:

(۱) جب بات کرے جھوٹ بولے'
(۲) وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے'
(۳) امین بنایا جائے تو خیانت کرے اور
(۴) اگر کہیں کوئی جھگڑا ہو جائے تو فوراً آپے سے باہر آ جائے' گالم گلوچ اور مار دھاڑ پر اتر آئے۔

آپ دیکھ لیجئے کہ ہمارے معاشرے میں یہ چاروں چیزیں موجود ہیں۔ آپ کے ہاں جو جتنا بڑا ہے وہ اتنا ہی بڑا جھوٹا ہے' اتنا ہی بڑا خائن ہے' اور اتنا ہی بڑا وعدہ خلاف ہے۔ نفاق کی دوسری صورت کو نفاق باہمی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آج ہماری قوم قومیتوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ فرقہ واریت' طبقاتیت' لسانیت اور صوبائیت نفاق باہمی کی مختلف صورتیں ہیں کہ جن سے ہم دوچار ہیں۔

اس نفاق باہمی اور نفاق عملی سے ایک طرف ہمارے کردار کا دیوالیہ نکل گیا ہے اور دوسری طرف اتحاد و اتفاق ختم ہو گیا ہے۔ لیکن ہم نے اس "عذاب ادنیٰ" سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ میرا اشارہ سورۃ السجدہ کی آیت ۲۱ کی طرف ہے اور اس کی ہم مضمون سورۃ الروم کی آیت ۴۱ ہے' جس کے الفاظ ہیں:

"ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ"

پاکستانی معاشرے پر یہ آیت صد فی صد چسپاں ہوتی ہے۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ بر و بحر کے اندر لوگوں کے ہاتھوں کے کرتوتوں کے سبب فساد رونما ہو چکا ہے تاکہ اللہ انہیں ان کے کچھ کرتوتوں کا مزا چکھائے۔ (گویا یہ سزا بھی ہمارے کچھ کرتوتوں کی ہے' سارے کرتوتوں کی نہیں ہے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ" یعنی بہت سی چیزوں سے تو وہ درگزر بھی کرتا ہے۔) اللہ تعالیٰ یہ سزا اس لئے دیتا ہے کہ شاید لوگ باز آ جائیں' ہوش میں آ جائیں۔ یہی مضمون سورۃ السجدہ (آیت ۲۱) میں بایں الفاظ آیا ہے:

"ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب کا مزا چکھائیں گے' شاید کہ یہ لوٹ آئیں"۔

گویا یہ چھوٹا عذاب تھا اس بڑے عذاب کے مقابلے میں جو کہ آنے والا ہے۔ ویسے اپنی جگہ تو یہ بھی عظیم ترین عذاب تھا۔ اس لئے کہ جن ہندوؤں پر نے ہم آٹھ سو برس تک حکومت کی تھی ان کے قیدی بن کر رہے ہیں۔ ترانوے ہزار افراد کو قیدی بنا کر مدھیہ پردیش سنٹرل انڈیا تک ٹرکوں کے اندر لاد کر بھیڑوں بکریوں کی طرح لے جایا گیا۔ اس موقع پر اندرا گاندھی نے کہا تھا کہ "ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا انتقام لے لیا"۔ اندازہ کیجئے کہ یہ بات موتی لال نہرو کی پوتی اور جواہر لال نہرو کی بیٹی کہہ رہی ہے۔ ہندوؤں میں کوئی لبرل خاندان ہو سکتا ہے تو چوٹی کا لبرل خاندان یہی ہے۔ لیکن اس کی بھی ذہنیت کا مظہر یہ ہے جو اس جملے میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہ شکست ہمارے ماتھے پہ کلنک کا ٹیکا ہے' لیکن یہ عذاب ادنیٰ ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ اتنی بڑی شکست کو میں "عذاب ادنیٰ" کیوں کہہ رہا ہوں۔ اس لئے کہ غنیمت سمجھئے کہ ابھی یہ پاکستان باقی ہے اور بنگلہ دیش بھی ایک بڑی مسلمان مملکت کے طور پر موجود ہے۔ شاید آپ حضرات نے وہ خبر پڑھی ہو کہ چٹاگانگ سے دس ہزار افراد نے ڈھاکہ کی طرف مارچ کیا کہ شریعت نافذ کرو۔ گویا اسلام کے معاملے میں ان کے ہاں بھی جذبہ پوری طرح موجود ہے۔ اسی طرح تسلیمہ نسرین کے ساتھ جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس سے ان کی مذہبی غیرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کو وہاں سے جان بچا کر بھاگنا پڑا۔

**"بنگلہ دیش کے پہلے وزیر خارجہ ڈاکٹر کمال حسین نے کہا تھا کہ: ہم اپنے آپ کو ایک مسلمان ملک کہلوانا بھی پسند نہیں کرتے۔"**

اب میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اصل میں تو یہ دو خطوں پر مشتمل پاکستان اللہ نے ہمیں بونس میں دیا تھا۔ یہ خالصتاً اللہ کا فضل تھا' ورنہ مصور پاکستان نے اس ملک کا ذکر نہیں کیا تھا۔ ان کا ۱۹۳۰ء کا خطبہ جس میں انہوں نے کہا کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ تقدیر مبرم ہے کہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں

ایک مسلمان ریاست قائم ہوگی' اس خطبے میں مشرقی پاکستان کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ یہ تو اللہ نے اس وقت عطا کیا کہ جب راس کماری سے درۂ خیبر تک "پاکستان کا مطلب کیا' لا الہ الا اللہ" کے نعروں سے گونج اٹھا۔ اللہ نے کہا کہ ایک نہیں' دو خطوں پر مشتمل پاکستان لو! تم نے ایک کا خواب دیکھا ہے' یہ دو خطے لو! لہٰذا مصور پاکستان کا اصل پاکستان ابھی باقی ہے۔

دوسری بات یہ نوٹ کیجئے کہ اس برعظیم ہند میں ابتداء اصل "پاکستان" جو بنا تھا وہ یہی تھا۔ ۱۲۰۶ء تک کا "پاکستان" یہی تھا۔ ۷۱۲ء میں محمد بن قاسمؒ سندھ کے راستے اس برعظیم میں آئے اور اس وقت کے مغربی پاکستان کا جنوبی نصف مملکت اسلامی میں شامل ہو گیا۔ پھر تین سو برس کے بعد محمود غزنوی اور ان کے بعد معز الدین غوری کے ہاتھوں موجودہ مغربی پاکستان یا "What remains of Pakistan" کا شمالی حصہ مشرف باسلام ہوا۔ پھر ۱۲۰۶ء میں کہیں جا کر دہلی پر حکومت قائم ہوئی۔ گویا تاریخ نے آج آپ کو وہاں پہنچایا ہوا ہے۔

## پاکستانی قوم کے لئے لمحہ فکریہ

اصل سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم نے اس سانحہ سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ ہر شخص اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے کہ اس کے شب و روز میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی ہے؟ اس کے مشاغل اور دلچسپیوں میں سرمو کوئی فرق واقع ہوا ہے؟ کسی کی زندگی کا نقشہ بدلا ہو' اس کی ترجیحات بدلی ہوں' کسی نے حرام خوری چھوڑی ہو' کسی نے سودی معاملہ چھوڑا ہو؟ اپنے اوپر قیاس کر لیجئے کہ کوئی سبق حاصل نہیں ہوا۔ حالات بد سے بدتر ہوئے ہیں۔ عریانی اور فحاشی اس وقت کے مقابلے میں سو گنا زیادہ ہے' فراڈ اور غبن تو ہزار گنا زیادہ ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بات بھی نوٹ کر لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنی تقویم ہے۔ اس نے ہمیں ۲۵ برس کی مہلت دی تھی۔ شمسی حساب سے اگرچہ چوبیس برس اور چار مہینے بنتے تھے لیکن قمری حساب سے پورے ۲۵ برس ہو گئے تھے کہ جب اللہ کے عذاب کا کوڑا ہماری پیٹھ پر پڑا۔ دوسرے پچیس برس پورے بھی مکمل ہو چکے ہیں۔ میں وہ "Sense of urgency" منتقل کرنا چاہتا ہوں کہ ع دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا' وہ دوسرا کوڑا ہماری پیٹھ پر پڑنے کو ہے۔ اس بات کو کوئی انہونی نہ سمجھنا چاہئے' وقتاً صورت حال بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ اس صورت حال کو ایک تمثیل سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اس وقت ہمارا حال قومی اعتبار سے ایسے ہے کہ جیسے کسی شخص کو جکڑ دیا گیا ہو اور وہ ہاتھ پاؤں ہلا نہ سکے' لیکن ساتھ ہی وہ اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو کہ کوئی اژدھا اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر رہا ہے اور کچھ دیر کی بات ہے کہ وہ ذرا تناؤ پیدا کرے گا اور اس کی ہڈی پسلی ایک کر دے گا۔ یا کوئی شخص اپنی آنکھوں سے دیکھے کہ سیلاب کا پانی چڑھتا آ رہا ہے' ابھی اس کے گھٹنوں تک تھا' اب کمر تک آ گیا ہے ' لیکن وہ ہل نہ سکتا ہو۔ ہماری صورت حال بھی اس وقت بعینہٖ یہی ہے۔ ہم "ورلڈ بنک" اور "آئی ایم ایف" جیسے اداروں کے شکنجوں میں آ چکے ہیں۔ اس وقت یہودیوں کا ذرائع ابلاغ پر تسلط ہے اور ان کا عالمی سطح پر مالیاتی نظام پوری دنیا کو کنٹرول کر رہا ہے۔

آپ سوچئے کہ کیا نواز شریف مسلمان نہیں ہے؟ اس نے مسلمان ماں کا دودھ نہیں پیا ہے؟۔ یہ میاں شریف کا بیٹا ہے جو تہجد گزار ہے۔ یہ خود بھی نمازی ہے۔ لیکن آخر کیا وجہ تھی کہ اسلام کے نام پر دو تہائی اکثریت حاصل کرنے کے باوجود شریعت کی بالادستی کے لئے دستور میں ترمیم نہ کر سکا' جبکہ نظر آ رہا تھا کہ میرے سارے اتحادی مجھے چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ گویا یہ عالم تھا کہ ع "میری دنیا لٹ رہی تھی اور میں خاموش تھا"۔ کیا اسے معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ یہ "Slow Poisoning" ہے جس سے میری اپنی سیاسی موت واقع ہو رہی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے وہ کچھ نہیں کر سکا۔ اس لئے کہ عالمی قوتوں کا دباؤ ہے' ہم عالمی استعمار کے شکنجے میں جکڑے جا چکے ہیں' نیو ورلڈ آرڈر ہمیں اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔ آپ مالیاتی نظام کی مہاجنی جکڑ بندیوں کے اندر کسے ہوئے ہیں۔ وہاں تو فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے سے زلزلہ آ گیا تھا کہ اس نے "Bank Interest" کو ربا قرار دے کر حرام قرار دے دیا۔ اس خلاف کے رد عمل اتنا شدید تر ہوا کہ جو امداد پائپ میں چلی آ رہی تھی اسے بھی پاؤں رکھ کر روک دیا گیا۔

> "گاندھی جی نے بڑے سمیاتے ہوئے قائداعظم سے یہ بات کی تھی کہ آپ کے پاکستان کا مطلب "پان اسلام" تو نہیں؟"

ایک طرف صورت حال کی سنگینی کا یہ عالم ہے جبکہ دوسری طرف ہماری حالت یہ ہے کہ جیسے کوئی جانور کہیں زخمی حالت میں پڑا ہو تو گدھ اس کے پاس آ کر جمع ہو جاتے ہیں کہ ابھی جان نکلے تو اسے نوچیں۔ چنانچہ ایک طرف کشمیر پر امریکہ کا گدھ منڈلا رہا ہے کیونکہ اسے سنٹرل ایشیا میں بھی ایک "اسرائیل" کی ضرورت ہے۔ عالم عرب کے اوپر تو اس نے اسرائیل کو مسلط کر دیا ہے۔ اب تو سارے عرب ممالک قطار باندھے حکم کے انتظار میں سر جھکانے کے لئے بلکہ ہار ڈالنے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔ درون خانہ تو یہ پہلے ہی ہار ڈال چکے تھے' اس وقت تو صرف پردے اٹھ رہے ہیں۔ پھر شمالی علاقوں پر اسماعیلی ریاست قائم کر کے پرنس کریم آغا خان کے ذریعے کنٹرول حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ پرنس فلپ نے تو پاکستان کا دورہ ہی اسی لئے کیا تھا' ہمیں نہیں معلوم کہ وہ بے نظیر سے کیا طے کر کے گئے تھے۔ ادھر بلوچستان کے ساحل پر امریکہ کو قدم جمانے کے لئے علاقہ دیا جا رہا تھا' اس لئے کہ اس نے ایران سے نپٹنا ہے اور آخر خلیج کے دہانے پر بھی بیٹھنا ہے! اسی طرح کبھی کراچی کو جناح پور' ہانگ کانگ یا کوئی اور سنگاپور بنانے کے منصوبے بنتے ہیں۔ یہ وہ گدھ ہیں جو ہمارے آس پاس منڈلا رہے ہیں۔ ان کا یہ اصول ہے کہ یہ دو دو options رکھتے ہیں۔ گویا یہ اپنے تمام انڈے ایک ٹوکری میں رکھنے کے قائل نہیں ہیں۔ انہیں کشمیر میں قدم جمانے کا موقع دیا جائے یا شمالی علاقوں میں' اسی طرح جناح پور بن جائے یا سندھو دیش' یہ چاہتے ہیں کہ کچھ تو ہو جائے۔ اور اگر ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا تو بلوچستان کے ساحل پر جگہ مل جائے! بہرحال اس وقت حالات یہ ہیں کہ ؎

آگ ہے' اولاد ابراہیم ہے' نمرود ہے!
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟

اور ؎

الٰہی خیر میرے آشیاں کی
زمیں پر ہیں نگاہیں آسماں کی

ہمارے لئے آسمان امریکہ بہادر ہی تو ہے۔

## پس چہ باید کرد؟

اب آئیے اس گفتگو کے عملی پہلو کی طرف کہ اس وقت "نیو ورلڈ آرڈر" کا عفریت ہمارے سامنے

کھڑا ہے آخر اس کا علاج کیا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ رجوع کرو اپنی اس اصل کی طرف جس کے لئے پاکستان بنایا تھا۔ بقول اقبال ؎

"علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی"

افراد بھی توبہ کریں اور اپنی معاش اور معاشرت میں سے غیر اسلامی چیزیں نکال دیں۔ پھر پوری قوم توبہ کرے اور اجتماعی توبہ کے لئے ایک مضبوط جماعت ہو جو منکرات کے خلاف طاقت کے ساتھ جہاد کرے۔ یہ جماعت پاور پالیٹکس کے کسی کھیل میں شریک نہ ہو۔ یہ جماعت پاکستان میں خلافت کے نظام کی داعی ہو اور پورے عالمی سطح پر نظام خلافت کی علمبردار بن کر کھڑی ہو جائے جس میں پہلا مرحلہ پان اسلام ازم کا ہو' یعنی پورے عالم اسلام کو متحد کر کے خلافت کے نظام کے تحت کرنا۔ اور یہی وہ چیز ہے جس سے عالمی استعماری قوتیں خوفزدہ ہیں۔

## (۱) قرآن و سنت کی غیر مشروط بالادستی

یہ سوال کہ نظام خلافت کے خدوخال کیا ہیں اس کا مختصر جواب سورۃ النساء کی آیت ۵۹ ہے۔ فرمایا:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا"

دیکھئے' جدید ریاست کے تین ستون شمار ہوتے ہیں۔ پہلا ستون' مقننہ (Legislature) ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا: "اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" یعنی کتاب و سنت کی بالادستی۔ دستور میں ایک ترمیم کر دیجئے کہ ہر معاملہ میں شریعت کو مکمل بالادستی حاصل ہوگی' تو اس سے دستوری سطح پر خلافت قائم ہو جائے گی۔ قرارداد مقاصد میں یہ بات اصولاً طے ہو چکی ہے' صرف دستور میں ایک ترمیم درکار ہے جو نواز شریف صاحب نہیں کر سکے۔ اس کے لئے ایک عوامی جدوجہد کی ضرورت ہوگی۔ یہ کام تب ہوگا جب پوری قوم جانیں دینے کے لئے کھڑی ہو جائے گی۔ اور پوری قوم سے میری مراد لوگوں کی اتنی معتدبہ تعداد ہے جو پوری قوم کے اندر ایک آگ لگا دیں۔ اگر اس طرح کی تحریک برپا کر دی جائے تو کوئی امریکہ کیا امریکہ کا باپ بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ پھر اللہ کی مدد آئے گی' اس لئے کہ قرآن حکیم میں کہا گیا ہے کہ "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ" یعنی "اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا"۔ اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ "اللہ لازماً ان کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے"۔

دوسری چیز جو اس آیت مبارکہ میں جدید اسلامی دستور کے لئے رہنمائی فراہم کرتی ہے وہ لفظ "اُولِی الْاَمْرِ" ہے۔ گویا یہ لفظ انتظامیہ (Executive) کے ادارے کو ظاہر کرتا ہے۔ اسلامی ریاست میں یہ "اولی الامر" ہے۔ گویا یہ لفظ انتظامیہ (Executive) کے ادارے کو ظاہر کرتا ہے۔ اسلامی ریاست میں یہ "اولی الامر" مسلمانوں میں سے ہوگا' غیر مسلم نہیں ہو سکتا۔ غیر مسلم کی حیثیت ذمی یعنی "Portective Minority" کی ہوگی۔ اسلامی ریاست اس کے جان' مال اور عزت کی حفاظت کا ذمہ لے گی۔ لیکن نہ تو مقننہ (Legislature) میں اس کا عمل دخل ہو سکتا ہے' اس لئے کہ وہاں قانون سازی کتاب و سنت کے مطابق ہوگی اور وہ کتاب و سنت کو تسلیم ہی نہیں کرتا' اور نہ ہی انتظامیہ میں وہ کلیدی عہدوں پر فائز ہو سکتا ہے۔ تاہم ٹیکنیکل شعبوں میں اس کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

جدید ریاست کا تیسرا ستون عدلیہ ہوتی ہے۔ اور عدلیہ کا ادارہ ہی دستور کا محافظ ہوتا ہے کہ اگر اختلاف ہو جائے کہ آیا یہ شے شریعت کے مطابق ہے یا نہیں تو وہ اس کا فیصلہ کرے۔ مقننہ ایک قانون پاس کرتی ہے' کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کتاب و سنت کے منافی ہے تو اب جھگڑا ہو گیا۔ اس جھگڑے کو کیسے طے کرنا ہے؟ اس کا ذکر آیت کے اگلے حصے میں ہے۔ فرمایا: "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ" یعنی "اگر تم کسی معاملے میں جھگڑنے لگو تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو"۔ "تنازع" کے حوالے سے یہاں عدلیہ (Judiciary) کا ذکر آ گیا۔ کوئی قانون دستور سے متصادم ہے یا دستور کے مطابق ہے' اس کا فیصلہ عدلیہ کرے گی۔ جدید ریاست انہی تین اداروں سے بحث کرتی ہے' جن کو اس ایک آیت سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔

اس حوالے سے یہاں میں ذکر کرتا چلوں کہ ضیاء الحق مرحوم نے فیڈرل شریعت کورٹ قائم کر کے صحیح رخ پر قدم اٹھایا تھا' یہ دوسری بات ہے کہ یہ "Half-heartedly" بلکہ ------ "Quarter heartediy" ہی تھا۔ چنانچہ اپنی بنائی ہوئی فیڈرل شریعت کورٹ کو انہوں نے دو ہتھکڑیاں پہنا دیں اور دو بیڑیاں ڈال دیں۔ وہ دو ہتھکڑیاں یہ تھیں کہ دستور بھی شریعت سے بالاتر ہے اور عائلی قوانین بھی۔ اور دو بیڑیاں یہ تھیں کہ مالی قوانین بھی شریعت سے بالاتر ہیں اور عدالتی قوانین بھی۔ اب آپ سوچئے کہ سوائے فراڈ کے باقی رہ کیا گیا۔ ہاں یہ بات ہے کہ کچھ لوگوں کی ان عدالتوں کے حوالے سے تنخواہیں چل رہی ہیں۔ لیکن وہ کچھ کر نہیں سکتے! قوانین کے حوالے سے جو بیڑی یا ہتھکڑی تھی وہ دس سال کے لئے تھی' لہٰذا دس سال پورے ہونے کے بعد کھل گئی ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ وفاقی شرعی عدالت نے مالی قوانین کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ لیکن میاں نواز شریف کی حکومت نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر کے اس فیصلے کو عملاً کالعدم کر دیا۔

## (۲) وفاقی صدارتی نظام کی ضرورت

دوسری بات یہ کہ اس ملک کے لئے اگر کوئی خیر ہے تو وہ صدارتی نظام میں ہے۔ یہ پارلیمانی نظام انگریز کی وراثت ہے جو اپنی روایت پرستی کے ہاتھوں مجبور ہے۔ انہوں نے تو خواہ بادشاہ ہو یا ملکہ ہر صورت میں اسے اپنے سر پر بٹھانا ہے۔ میں اسے "Human Zoo" (انسانی چڑیا گھر) سے تعبیر کیا کرتا ہوں۔ لوگ وہاں جاتے ہیں' شاہی عمارات کی سیر کرتے اور شاہی خاندان کے افراد کی زیارت کر کے واپس آ جاتے ہیں۔ گویا یہ ان کا ایک کھیل اور دلچسپی

> "ڈھاکہ یونیورسٹی میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کے ساتھ صرف اتنی سے بات پہ انتہائی توہین آمیز سلوک کیا گیا کہ انہوں نے علمی انداز میں یہ بات کہہ دی تھی کہ دو سو سال قبل بنگلہ زبان بھی عربی زبان کی طرح لکھی جاتی تھی"۔

کا سامان ہے۔ لہٰذا انہیں تو پارلیمانی نظام بنانا ہی ہے' ہمارے ہاں یہ ثنویت خواہ مخواہ اختیار کر لی گئی ہے۔ ہمارے دستور کے مطابق ریاست کا سربراہ کوئی اور ہے اور سربراہ حکومت کوئی اور اب جو ریاست کا سربراہ ہے وہ یا تو چودھری فضل الٰہی بن جائے گا یا غلام اسحاق خان بن جائے گا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ضیاء الحق ثابت ہو گا۔ مجھے بتا دیجئے کہ تیسری شکل کون سی ہے؟ یہ انگریز کی وراثت ایک لعنت ہے' اس کا جنازہ جتنی جلدی نکالا جا سکے ہمارے حق میں اتنا ہی بہتر ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ثانوی ہے۔ ہماری اولین ترجیح یہ ہے کہ پہلے شریعت کی غیر مشروط بالادستی طے ہو۔ اگر یہ نہیں تو پھر چاہے صدارتی نظام ہو' چاہے پارلیمانی' سب لعنت ہے۔ شریعت کی بالادستی کے بغیر دونوں شرک اور کفر ہیں۔ ہاں' ملک کے عوام مسلمان ہوا کریں' نظام بہرحال کافرانہ ہے۔

ایک اور چیز جو روح کا ایک تقاضا ہے وہ صحیح معنوں میں وفاقی نظام ہے۔ اور یہ حکمت کا بھی تقاضا ہے۔ یہ فطری بات ہے کہ ہر ایک کو اپنی زبان پسند ہے۔ لیکن میں عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے لئے کوئی زبان بھی مقدس نہیں سوائے عربی زبان کے۔ پنجابی کو پنجابی پسند ہو' سندھی کو سندھی پسند ہو تو کوئی حرج نہیں۔ نہ سندھی زبان کفر ہے اور نہ ہی پنجابی زبان کفر ہے۔ وفاق کے اندر جو بھی لسانی اور نسلی اکائیاں ہوں ان کو مناسب مقام دینا چاہئے۔ بھارت سے سبق سیکھئے' اس نے لسانی بنیادوں پر صوبے بنا دیئے تو اس میں کونسی کمی یا کمزوری پیدا ہو گئی؟ وہاں ہر صوبے کی اپنی اپنی زبان ہے اور اپنی زبان میں سارا صوبائی معاملہ چل رہا ہے۔ مرکز کے ساتھ معاملہ ہو گا یا بین الصوبائی ہو گا تو وہ انگریزی زبان میں ہو گا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تامل ناڈو میں تامل زبان ہے' آندھرا پردیش میں تلگو اور کیرالہ میں ملیالم دفتری زبان ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار زبانیں ہیں جو وہاں چل رہی ہیں اور کوئی بھی ترقی کے راستے میں مانع نہیں ہے۔ آخر اتنی زبانوں سے وہاں کون سی قیامت آ گئی ہے؟ اسی طرح ہمارے ہاں بھی ایک کروڑ افراد کی اگر کوئی لسانی یا نسلی عصبیت ہے تو اسے تسلیم کریں' اس کی نفی نہ کریں۔ اس حوالے سے یہ بات بہرحال ذہن میں رکھنی چاہئے کہ معمولی سے لسانی فرق کی بنیاد پر تقسیم ممکن ہے نہ مناسب۔ اس لئے کہ زبان میں معمولی سا فرق تو ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں ہو جاتا ہے۔ گوجرانوالہ سے سیالکوٹ جا کر زبان بدل جائے گی۔ لیکن جو موٹی موٹی تقسیمیں ہیں ان کے مطابق صوبوں کی تقسیم میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس طرح اگر "ریاستہائے متحدہ پاکستان" وجود میں آ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ ایک مضبوط وفاقی نظام ضروری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ "states" کو اختیارات بھی دیجئے' انہیں اجازت دیجئے کہ اپنے کلچر کو رواج دیں۔ ہاں یہ طے ہو کہ شریعت کے خلاف کوئی شے نہیں ہونے دیں گے۔ یک جہتی کی ذمہ دار فیڈرل گورنمنٹ ہو گی۔ آج دنیا میں امریکہ کا وفاقی صدارتی نظام کس کامیابی سے چل رہا ہے۔ یہ صدارتی نظام بھی دراصل نظام خلافت سے لیا گیا ہے۔ علامہ اقبال نے کہا ہے

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰؐ اورا بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰؐ ست

چنانچہ شیطان کو جمہوریت بھی اسی لئے دینی پڑی ہے کہ خلافت راشدہ میں عوام کو ایک حق دیا گیا تھا کہ مسلمانوں کا منتخب خلیفہ ہو گا۔ خلیفہ کے انتخاب میں مسلمانوں کی رائے یعنی امر المسلمین فیصلہ کن ہو گا۔ انسانوں کو یہ حق تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ اسلام نے دیا ہے' تب شیطان کو بھی پیروی کرنی پڑی۔ اب اگر دنیا کی کوئی "achievements" ہیں تو ان کو تسلیم کیجئے۔

(۳) نئی صوبائی تقسیم

تیسری بات یہ کہ سندھ کے مسئلے کا اس کے علاوہ کوئی حل نہیں ہے کہ صوبے چھوٹے بنائے جائیں۔ اس وقت میں سیاستدانوں کے مختلف فیہ بیانات کے حوالے سے بات نہیں کر رہا' اس لئے کہ وہ پینترے بدلتے رہتے ہیں۔ آپ نے اخبارات میں الطاف حسین صاحب کے مختلف بیانات پڑھے ہوں گے' کبھی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں الگ صوبہ چاہئے' کبھی کہتے ہیں نہیں چاہئے۔ یہ تو سیاستدانوں کی حکومت کے ساتھ سودے بازی ہے جس میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔ لیکن میں ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں اور بہت عرصے سے کہہ رہا ہوں کہ سندھ کے مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے سوائے اس کے کہ چھوٹے صوبے بنائے جائیں۔ ایک کروڑ سے زیادہ مہاجر جو اردو سپیکنگ ہیں ان کی اس حیثیت کو تسلیم کیجئے اور انہیں کوئی علاقہ دیجئے کہ وہ کہہ سکیں کہ یہ ہمارا ہے۔ انہوں نے ایک زمانے میں یہ کہا تھا کہ ہمیں یہاں دو چیزیں دے دیجئے۔ کراچی کی کارپوریشن ہمارے حوالے کر دیجئے اور پولیس اور ٹریفک ہمیں دے دیجئے۔ لیکن یہ چیزیں دینے کو بھی کوئی تیار نہیں تھا۔ اگر آپ کسی کو اس کے حق سے محروم کریں گے تو احساس محرومی اس انتہا کو پہنچے گا جہاں اس وقت پہنچ گیا ہے۔ میں نے آج سے دس سال قبل "استحکام پاکستان" نامی کتاب لکھی تھی' جس میں استحکام پاکستان اور اس کے لوازم بیان کئے تھے۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد اس کتاب کا دوسرا حصہ "استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ" لکھی تھی۔ میں سیاست دان ہرگز نہیں ہوں۔ بقول شاعر ؏ "بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں!" لیکن حالات کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ بصیرت مجھے اللہ نے عطا کی ہے۔ اور ؏ "سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف!" یہاں مدینہ و نجف کے بجائے کہہ لیجئے کہ ہماری آنکھ کا سرمہ قرآن و سنت ہے۔ میری دو آنکھیں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت ہیں۔ بہرحال میں نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں مسئلہ سندھ

> "میں نے جون' جولائی ۱۹۶۹ء کے "میثاق" میں لکھا تھا کہ ہم مشرقی پاکستان کے لوگوں کو جبراً اپنے ساتھ ہرگز نہیں رکھ سکتے' اس لئے خدا کے لئے ان سے ریفرنڈم کرائیے کہ وہ پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر رہنا چاہتے ہیں تو کن شرائط پر رہنا چاہتے ہیں؟ یہ بات ان سے پوچھ کر طے کیجئے۔ اس کے برعکس اگر جبر کریں گے تو اس کے نہایت خطرناک نتائج نکلیں گے"۔

کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔ اس وقت میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ یہ باتیں میں آج نہیں' بلکہ برسوں سے کہہ رہا ہوں۔

### (۵) عربی بطور سرکاری زبان

اس ضمن میں آخری بات یہ کہ سرکاری زبان کے بارے میں طے کیجئے کہ یہاں عربی ہوگی اور عملی اقدام کے طور پر فوری طور پر عربی کی تدریس پہلی جماعت سے لازمی کیجئے۔ اور یقین رکھئے کہ بیس برس کے اندر اندر کایا پلٹ جائے گی۔ عربی زبان کی وجہ سے پورے عالم عرب کے ساتھ ایک رابطہ قائم ہو جائے گا۔ یہ رابطہ گویا پان اسلام ازم کی طرف ایک اہم قدم ہوگا اور اس سے پان اسلام ازم کی تحریک کو تقویت ملے گی۔ یہ اقدامات کریں گے تو مسئلہ حل ہوگا ورنہ نہیں!

## حرفِ آخر

اور سب سے بڑی بات یہ کہ آج نشست کے آغاز میں سورۂ بنی اسرائیل کی جو آیات پڑھی گئی ہیں ان کے آخر میں جو بات فرمائی گئی ہے وہ ہم پر صدفی صد راست آتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "تمہارا رب اب بھی تم پر رحم فرمانے کے لئے تیار ہے' لیکن اگر تم نے پھر وہی روش اختیار کی تو ہم بھی وہی کچھ کریں گے"۔ یہ تو دنیا کی سزا کا ذکر ہے۔ آیت کے اگلے حصے میں فرمایا کہ "اور ہم نے کافروں کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے"۔ اس کے بعد فرمایا "بیشک یہ قرآن اس راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھا ہے"۔ اللہ کی رحمت کا دروازہ یہ قرآن ہے۔ اگر سائبان کے نیچے آنا چاہتے تو یہ قرآن کا سائبان موجود ہے۔ گویا رحمت خداوندی میں داخل ہونے کا شاہد رہ قرآن ہے۔ بہرحال میں یہ بات تحدیث نعمت کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ میں نے اپنی زندگی کے تیس سال اس قرآن حکیم کے پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے میں لگائے ہیں۔ اس عرصے میں انجمن خدام القرآن قائم کی' قرآن اکیڈمی اور قرآن کالج قائم کیا' قرآن کانفرنسیں اور قرآنی تربیت گاہیں منعقد کیں۔ میں نے یہ سارا کام اس تشخیص کی بنیاد پر کیا ہے کہ اس وقت امت اس قرآن کو چھوڑنے کی وجہ سے زوال سے دوچار ہے۔ بقول اقبال ؎

خوار از مہجوریِ قرآں شدی
شکوہ سنج گردش دوراں شدی

اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ
در بغل داری کتاب زندۂ

یہی بات علامہ اقبال نے اپنے ایک اردو شعر میں بہت سادہ انداز میں بیان کی ہے ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع کی آخری آیات میں بہت اہم پیغام دیا جا رہا ہے: "بیشک یہ قرآن راہنمائی کرتا ہے اس راہ کی طرف جو سب سے سیدھی ہے اور خوشخبری دیتا ہے ایمان والوں کو جو عمل صالح کی روش اختیار کرتے ہیں کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے' اور یہ کہ جو آخرت کے منکر ہیں ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے"۔ بہرحال یہ کام قرآن ہی کے ذریعے ہوگا۔ قرآن کے ساتھ تعلق استوار کرنے کے لئے بھی پہلی جماعت سے عربی کی تدریس ضروری ہے۔ ہمارے اس اقدام سے قوم بحیثیت مجموعی قرآن کے قریب تر ہوتی چلی جائے گی۔ یہ بات میں پورے انشراح صدر کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ اس کے سوا اس ملک کے لئے کوئی بچاؤ کی راہ نہیں ہے۔ اقبال کا یہ شعر پاکستان پر بھی صدفیصد صادق آتا ہے کہ ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

اس لئے کہ پاکستان کے استحکام کے لئے اسلام کے سوا اور کوئی بنیاد سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ اگر ہم اسلام کی طرف نہیں آئے تو اللہ کے عذاب کا دوسرا کوڑا بھی ہماری پیٹھ پر پڑے گا اور "ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں"۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجام بد سے بچائے اور توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔


ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا
وثبت اقدامنا وانصرنا علی
القوم الکفرین○

اے ہمارے رب! ہماری خطاؤں کو بخش دے اور جو زیادتیاں ہم نے اپنے معاملے میں کی ہیں ان سے درگزر فرما اور ہمارے قدموں کو ثبات عطا فرما اور کافر قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ (آمین)

VANPAC

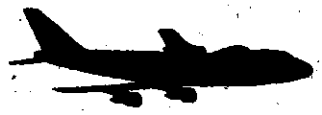

We Pack & Move Goods in Time & with Care
P. O. Box: 6028
8-A, Commercial Building,
Abid Majeed Road,
Lahore Cantt.
Pakistan

Ph: 92-42-6667323
372532
Fax: 92-42-6662618

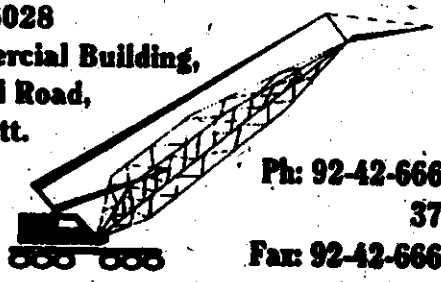

# سقوط مشرقی پاکستان

## ذمہ دار کون ہے؟

### معروف صحافی عبدالکریم عابد کے مارچ ۷۱ء میں "جسارت" کے لئے تحریر کردہ مقالات خصوصی سے چند اقتباسات

مشرقی پاکستان کے سانحہ کے لئے عام طور پر کسی ایک فرد کو ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے لیکن یہ سانحہ ہمارے قومی طرز عمل کا منطقی نتیجہ تھا۔ پہلے تو جب پاکستان بنا اس وقت بہت سے لوگ کہہ رہے تھے کہ ایک ہزار میل کا فاصلہ رکھنے والے دو جغرافیائی خطے جو نسلی اور لسانی طور پر بھی الگ ہیں ایک نہیں رہ سکیں گے لیکن رہنما حضرات نے خود بھی اس پر یقین کیا اور قوم کو بھی یہی باور کرایا کہ آپس میں جوڑے رکھنے کے لئے ہم میں صرف مسلمان ہونے کا رشتہ کافی ہے جبکہ ہماری تاریخ میں عرب و عجم' ایرانی و تورانی' عرب و ترک' مغل و افغان جنگوں کے مناظر موجود تھے۔ اس بات کو نہ رہنماؤں نے اور نہ ہی قوم نے محسوس کیا کہ اسلام کی بنیاد پر ایک وطن کی تعمیر کا تجربہ منفرد نوعیت کا ہے۔ اس تجربے کی کامیابی کے لئے بہت احتیاط' بڑی بصیرت اور خاص کردار کی ضرورت ہے' اس کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ بدقسمتی سے ملک کو حاصل کرنے کے بعد ملک کے لئے کوئی سیاسی نظام نہیں تھا اور نہ ملک کو چلانے والی کوئی سیاسی طاقت تھی۔ سیاسی نظام اگر کوئی تھا تو وہ ۱۹۳۵ء کا ایکٹ تھا اور سیاسی طاقت مسلم لیگ کی تھی لیکن نیا ملک بننے کے بعد نیا آئین چاہئے تھا اور سیاسی جماعت کو نیا روپ اور نیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہئے تھا جو نہیں کیا گیا۔ قیام پاکستان سے پہلے مسلم لیگ کی بنیاد ہندو مسلم دشمنی تھی اور پاکستان بننے کے بعد اسی دشمنی کی بنیاد پر لیگی رہنما سیاست کرتے رہے اور ان کا خیال تھا کہ سیاست کرنے کے لئے بھارت کے خلاف معاندانہ جذبات کافی ہیں۔ جس بیوروکریسی کے ہاتھ میں ملک آیا تھا اس نے حب الوطنی کا ٹھیکہ اپنے نام کر لیا اور ہر مخالف کو غدار قرار دیا جانے لگا۔ مشرقی پاکستان کے متعلق بھی مغربی پاکستان میں یہ تاثر عام کیا گیا کہ یہ ملک کے اول درجہ کے نہیں دوسرے درجے کے شہری ہیں' غیر مہذب ہیں' شورش پسند ہیں اور ان میں حب الوطنی کی کمی ہے۔ اس طرح تقسیم کی بنیاد' ابتدائی دور میں ہی رکھ دی گئی تھی۔ مسلم لیگ میں مشرقی پاکستان کے موقر رہنما کافی تعداد میں موجود تھے اور یہ مغربی پاکستان کے لیگی رہنماؤں سے کہیں زیادہ اسلام سے وابستگی رکھتے تھے مگر خواجہ ناظم الدین' مولوی تمیز الدین' مولانا اکرم اور اس طرح کے لوگ ہماری بیوروکریسی کو پسند نہیں تھے کیونکہ یہ اسلام اور جمہوریت کے مطالبے میں پیش پیش تھے جبکہ مقتدر بیوروکریسی اسلام اور جمہوریت دونوں کو ناقابل عمل سمجھتی تھی۔ امریکہ نے بھی سرد جنگ کی ضروریات کے پیش نظر یہ طے کر لیا کہ پاکستان میں سیاسی جماعتوں اور سیاستدانوں سے قطع نظر کر کے فوجی اور سول بیوروکریسی کو مضبوط کیا جائے کیونکہ دفاعی معاہدوں میں پاکستان کی شمولیت کو بیشتر سیاسی عناصر ناپسند کرتے تھے جبکہ بیوروکریسی ڈالروں اور اسلحہ کے عوض اپنے آپ کو بیچ دینے کے لئے تیار تھی۔ اس طرح پاکستان پر ایک آمریت مسلط ہو گئی اور سیاسی جمہوری عمل کا ارتقاء نہیں ہو سکا۔ بیوروکریسی نے ایک غضب یہ کیا کہ مطالبہ جمہوریت کو ناکام بنانے کے لئے مشرقی پاکستان میں لسانی عصبیت کی پیٹھ ٹھونکی ایک طرف ایسا حاکمانہ اور مغرورانہ طرز عمل اختیار کیا گیا جس میں مشرقی پاکستان کا شہری اپنے آپ کو مظلوم خیال کرنے لگا۔ دوسری طرف مجیب الرحمٰن سے لے کر بھاشانی تک تمام علیحدگی پسند لیڈروں کی سرپرستی کی گئی۔ مجیب الرحمٰن کو چھ نکات بیوروکریٹس نے فراہم کئے۔ اس سلسلہ میں الطاف گوہر کا نام بھی لیا جاتا ہے ممکن ہے الطاف گوہر نہ ہوں مگر جمہوری تحریک میں تفرقہ ڈالنے کے

> "سانحہ مشرقی پاکستان کے سلسلہ میں اکثر ذمہ داری یحییٰ خان اور بھٹو پر ڈال کر ہم لوگ سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ تو ایک غلط ذہنیت اور غلط طاقت کے مظہر اور آلہ کار تھے۔ غلط طاقت اور غلط ذہنیت جس نے مشرقی پاکستان کو الگ کیا خود ہمارے ہاں آج بھی موجود ہے' اگر اس کا انسداد نہیں کیا گیا تو ابھی اور بڑا المیہ ہمیں دیکھنا ہو گا"

لئے مجیب کو استعمال کیا گیا اور اس سے کہا گیا کہ وہ علاقائی مطالبات کے لئے الگ آواز اٹھائے اور الگ تحریک جاری کرے۔ مولانا بھاشانی بھی اس مرکزی بیورو کریسی کے آلہ کار تھے جو جمہوری تحریک کے اتحاد اور زور کو توڑنے کے لئے استعمال ہوتے رہے۔ مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کے انتخابات کے موقع پر انہوں نے ہی جمہوری قوتوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپا۔ بعد میں جب مجیب کا اثر بڑھ گیا تو اس اثر کو توڑنے کے لئے بھاشانی کو جلاؤ گھیراؤ کے نعرے دیئے گئے اور یہاں تک ہوا کہ یحییٰ خان کی حکومت نے سٹینڈرڈ بینک کے علوی صاحب کے ذریعہ "آزاد بنگلہ دیش" کے پرچم بنوا کر بھاشانی صاحب کو بھیجے تا کہ مجیب کے زہر کا ایک دوسرے زہر سے دفعیہ ہو سکے۔

مغربی پاکستان میں یہ بھی کہا جانے لگا کہ مشرقی پاکستان ہماری اقتصادیات پر بوجھ ہے اور یہ بوجھ ہمارے سر پر رہا تو ہم ڈوب جائیں گے۔ یحییٰ خان کی کابینہ کے وزیر خزانہ ایم ایم احمد یہ بات دبے لفظوں میں کہتے تھے لیکن نوائے وقت میں جب وہ حامد محمود کے قبضے میں تھا تو ڈاکٹر انور اقبال قریشی کے مضامین شائع ہوئے کہ مغربی پاکستان کے لئے مشرقی پاکستان کے بوجھ سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے ورنہ ہمارا سارا وجود خلیج بنگال میں غرق ہو جائے گا اور بنگالی پھر بھی بھوکے رہیں گے۔ انہیں اپنے سے الگ کر کے ان کے حال پر چھوڑ دینا ہی صحیح راستہ ہے۔ بھٹو صاحب کے عروج میں ہماری سول اور فوجی بیورو کریسی کا پس پردہ کردار بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ بھٹو صاحب نے بھارت دشمنی اور بنگال دشمنی کی بنیاد پر اپنی سیاست چلائی اور وہ تمام سیاستدان جو مشرقی پاکستان کو ساتھ لے کر چلنے کے حامی تھے' ان کے مقابلے میں بری طرح پٹ گئے' الیکشن کا نتیجہ جب آیا تو ملک تقسیم ہو چکا تھا اور اگر حکمران تقسیم ہی چاہتے تھے تو سیدھے سادے طریقے پر یہ کام کر لیتے لیکن ان کے سامنے کوئی لائحہ عمل نہیں تھا۔ انہوں نے مشرقی پاکستان میں زبردست مار دھاڑ کا آغاز کیا اور ان کے سیاسی وجود کو نہ صرف یہ کہ تسلیم کرنے سے انکار کیا گیا بلکہ اسے طاقت کے زور پر دبانے اور ہٹانے کی کوشش کی گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب میں "جسارت" کا ایڈیٹر تھا جو جماعت اسلامی کا ترجمان تھا۔ ایڈیٹر کی حیثیت میں جسارت کے صفحہ اول پر میرے دستخطوں سے بعض مقالات خصوصی شائع ہوئے۔ ان میں فوجی ایکشن کی مذمت کی گئی تھی مگر مجھے بعد میں بہت افسوس ہوا کہ مغربی پاکستان کے دینی عناصر سول اور فوجی بیورو کریسی کے چکر میں پھنس کر فوجی کارروائیوں کی حمایت کرنے لگے۔ اس وجہ سے اور بعض دوسری وجوہات کی بنا پر میں نے بددل ہو کر "جسارت" سے علیحدگی اختیار کر لی لیکن میرے مقالات خصوصی آج بھی "جسارت" کے صفحات میں موجود ہیں۔ ان کے چند اقتباسات پیش ہیں جو کہ مارچ ۱۹۷۱ء کے خونی مہینے کے ہیں۔

## علیحدگی کی پیشین گوئی

یکم مارچ ۱۹۷۱ء کے مقالہ خصوصی میں لکھا گیا تھا:

"جناب ذوالفقار علی بھٹو نے تو یہ کہا تھا کہ وہ دہلی پہنچ کر شوکت اسلام کا علم لہرائیں گے لیکن فی الحال ان کی کوششیں ڈھاکہ میں سبز ہلالی پرچم کو سرنگوں کرنے کی ہیں۔ یہ بات اب صاف نظر آ رہی ہے کہ مسٹر بھٹو مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ یہ سب کس کی تحریک پر کر رہے ہیں؟ طاقت کا وہ کون سا سرچشمہ ہے جس نے علیحدگی کے اس منصوبے کے لئے مسٹر بھٹو کو اپنا آلہ کار بنایا ہے؟ یہ صحیح ہے کہ مسٹر بھٹو ڈکٹیٹر بننے کی اندھی خواہش رکھتے ہیں اور ان کی اس خواہش کی تکمیل صرف اس طرح ممکن ہے کہ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے علیحدہ ہو جائے' پھر اس علاقے کا بے تاج بادشاہ بننا ان کے لئے آسان ہو گا لیکن یہ سارا منصوبہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی ایک فرد خواہ وہ کتنا ہی طاقتور ہو اسے روبہ عمل لا سکے۔ اس کی پشت پر یقیناً کوئی طاقتور گروہ ہے اور اس ٹولے نے ہی مسٹر بھٹو کو مشرقی پاکستان کی بادشاہی کا خواب دکھایا ہے۔"

اس مقالہ میں یہ بھی لکھا گیا تھا:

"یہ پنجاب میں اعلیٰ افسروں کا ایک خاص ٹولہ ہے اسے یہ بات پسند نہیں کہ وہ اپنے اقتدار میں مشرقی پاکستان کو شریک کرے اور اب جبکہ مشرقی پاکستان اقتدار میں اپنا حصہ طلب کر رہا ہے تو یہ مشرقی پاکستان کو پاکستان سے نکال پھینکنا چاہتے ہیں اور اس غرض کے لئے مسٹر بھٹو کے سپرد جو ڈرامے کئے گئے ہیں وہ انہیں بڑی خوبی سے سٹیج کر رہے ہیں۔"

اس مقالہ میں مضبوط مرکز کے حوالے سے لکھا گیا تھا

"مرکز پہلے ہی بہت طاقتور ہے کیونکہ اس کے پاس فوج ہے۔ فوج جب چاہے آئین منسوخ کر سکتی ہے' اسمبلی توڑ سکتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ پاکستانی سیاسیات میں آمریت نے اپنا جواز ہمیشہ مضبوط مرکز کے عنوان سے حاصل کیا ہے لیکن مضبوط مرکز کا یہ مکتب خیال جو مختلف علاقوں کے حقوق کی نفی کرتا ہے یا اسے سلب کرتا ہے' اسلامی نظریہ حیات کے حامیوں کا نہیں ہے۔ مضبوط مرکز جو آمریت کو مطلوب ہے وہ سراسر خلاف جمہوریت اور خلاف اسلام ہے"۔

۶/ مارچ ۱۹۷۱ء کے مقالہ خصوصی میں لکھا گیا تھا:

"ملک کی سالمیت کے خلاف' جمہوریت کے خلاف ذوالفقار علی بھٹو کی سازش قریب قریب مکمل ہو چکی ہے۔ اس گول میز کانفرنس سے لے کر جس میں شیخ مجیب نے شرکت کی تھی اس گول میز کانفرنس تک جس میں مجیب شرکت نہیں کر سکے گا سازشوں کا ایک طویل اور ناپاک سلسلہ ہے۔ انتخابات کے فوراً بعد میں نے اپنے ایک مضمون میں جو جسارت میں شائع ہوا تھا لکھا تھا کہ جمہوریت آتی ہے مگر سوئے مقتل روانہ ہونے کے لئے اور اب آپ نے دیکھ لیا کہ جمہوریت کو مشرقی پاکستان کے راستے سوئے مقتل لے جایا جا رہا ہے لیکن یحییٰ جمہوریت کے گلے پر کند چھری پھیرنے سے پہلے اپنی ذمہ داری کا احساس کریں۔"

اس مقالے میں صاف طور پر لکھا گیا تھا:

"اگر کوئی فوج کے ذریعے مشرقی پاکستان پر حکومت کرنا چاہتا ہے تو وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔ فوجی غلبہ اگر ہو بھی جائے تو مستقل نہیں رہے گا اور جتنا عرصہ رہے گا وہ اقوام عالم میں پاکستان کے لئے رسوائی کا باعث ہو گا"۔

۸/ مارچ کے مقالہ میں لکھا گیا تھا:

"قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا گیا ہے لیکن بعد از خرابی بسیار اگر یہ اجلاس ۳/ مارچ کو ہی ہو

(باقی صفحہ ۶۴ پر)

**"بھٹو صاحب نے بھارت دشمنی اور بنگال دشمنی کی بنیاد پر اپنی سیاست چلائی اور وہ تمام سیاستدان جو مشرقی پاکستان کو ساتھ لے کر چلنے کے حامی تھے' ان کے مقابلے میں بری طرح پٹ گئے"**

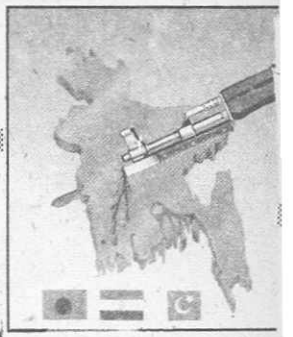

## میں مشرقی پاکستانیوں کو اس سانحے کا ذمہ دار نہیں ٹھہراتا-- قصور ہمارا ہے

# اتنا بڑا سانحہ رونما ہوا لیکن یہاں کسی کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی

## کسی کا احتساب نہیں ہوا--- حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ بھی شائع نہ ہو سکی

## مشرقی پاکستانیوں کو واضح اکثریت حاصل تھی' انہیں زیادہ ملنا چاہئے تھا

## مشرقی پاکستان کے سقوط پر ایم ایم احمد نے کہا-- "چلو اچھا ہوا بنگالیوں سے جان چھوٹ گئی"

## اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرنے کے خلاف یہاں کوئی تحریک نہیں اٹھی' کوئی احتجاج نہیں ہوا

### سانحہ مشرقی پاکستان کے عینی شاہد میجر جنرل محمد حسین انصاری سے جناب بدر منیر کا خصوصی انٹرویو

ان دنوں ہمارے پاس اس کے سوا کوئی اور کام نہ تھا کہ ٹرانزسٹر کو کان سے لگائے دنیا بھر کی خبریں اس امید میں سنتے رہیں کہ شاید دنیا کے کسی ریڈیو سے ایسی خبر سنائی دی جائے جو ہمارے لئے امید کی کرن ثابت ہو' دن اور رات چونکہ زیادہ تر کمرے ہی تک بلکہ بیچ پوچھئے تو بستر تک ہی محدود رہنا تھا اس لئے اس کے سوا وقت گزارنے کا کوئی اور طریقہ نہ تھا--- یہ دسمبر ۱۹۷۱ء کے آخری پندرھواڑے کے تلخ ترین ایام تھے۔ پورا ڈھاکا شہر افواہوں کے سیاہ ترین بادلوں کی آغوش میں تھا۔ طرح طرح کی خبریں افواہوں کا روپ دھار کر آتی تھیں اور اکثر ان میں سے سچ ثابت ہوتی تھیں۔ اخبارات دیکھنے کو جی نہیں چاہتا تھا اور ہمارے میزبان کے گھر کتابیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ ہمارے میزبان مخلص الزمان خان اور ان کے اہل خانہ کے ذہنوں میں کوئی بدبو نہیں تھی' ان کے بچے بھی مہذب تھے' سمجھ دار تھے۔ سقوط کے بعد میں نے اور میری اہلیہ نے اس شام یہ فیصلہ کیا کہ ہم محمد پور کے اعصاب زدہ ماحول سے نکل کر مخلص الزمان خان کے ہاں منتقل ہو جائیں۔ حالانکہ شہر بھر کے غیر بنگالی پناہ کے لئے محمد پور کا رخ کر رہے تھے لیکن ہم محمد پور سے ایک سو فی صد بنگالی علاقے میں منتقل ہو رہے تھے' اس لئے بھی ہم راستے میں مشتعل ہجوم کی نگاہوں سے بچتے بچاتے اپنے میزبان کے گھر پہنچ گئے--- کیونکہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی غیر بنگالی ان حالات میں بنگالیوں کے درمیان پناہ حاصل کرے گا---

یہ دوسرے یا تیسرے دن کی بات ہے کہ بی بی سی نے خبر دی کہ ایک پاکستانی میجر جنرل ایک ہیلی کاپٹر میں نرسوں کو بحفاظت لے کر رنگون پہنچے میں

جنرل انصاری۔ فوجی یونیفارم میں

کامیاب ہو گیا ہے' ---- گھٹا ٹوپ اندھیرے میں یہ امید کی پہلی کرن تھی جو ہمیں دکھائی دی اور جس کی ضرورت ہم کئی جان لیوا گھنٹوں سے محسوس کر رہے ہیں---

میجر جنرل محمد حسین انصاری سے یہ میرا پہلا تعارف تھا اور غائبانہ تھا۔ وہ مجھے ایک افسانوی شخصیت محسوس ہوئے' بالکل جیمز بانڈ کی طرح' کسی سنسنی خیز جاسوسی فلم کے ہیرو کی طرح--- میرے لئے تقویت کا پہلو یہ تھا کہ اتنے اعصاب شکن حالات سے گزرنے کے باوجود پاک فوج کے افسروں کے حوصلے بلند تھے اور انہوں نے ذہنی طور پر شکست قبول نہیں کی تھی۔

پاکستان واپسی کے بعد میں نے کئی بار جنرل انصاری سے ملنے کی کوشش کی لیکن ملاقات نہ ہو سکی' پھر میں نے کراچی میں سنا کہ وہ لاہور کے ترقیاتی ادارے کے سربراہ بن چکے ہیں اور انہوں نے لاہور شہر کو خوبصورت سے خوبصورت ترین بنانے کے لئے کئی منصوبوں پر عمل درآمد شروع کر دیا ہے۔ میری کیفیت سقوط کے بعد ایک مضطرب روح جیسی تھی

کسی ایک جگہ قرار نہ آتا تھا' کبھی لاہور' کبھی کراچی' کبھی اسلام آباد تو کبھی ڈھاکا --- اس لئے بھی جنرل انصاری سے ملاقات کا لمحہ ہفتوں' مہینوں اور برسوں میں منتقل ہوتا گیا یہاں تک کہ مشرقی پاکستان کے ۲۵ ویں یوم شہادت سے چند دن قبل ان سے ملاقات ہوئی --- اس ملاقات میں جو ایک دو سوالوں تک محدود تھی جنرل انصاری نے بڑی صاف گوئی سے باتیں کیں جن سے اندازہ ہوا کہ ان کے ذہن میں کوئی الجھاؤ نہیں ---- انہوں نے کسی "ذہنی تحفظ" کے بغیر میرے سوالات کے جواب دیئے ---

میرے سوال اور جنرل انصاری کے جواب ملاحظہ فرمایئے۔

☆ جنرل صاحب! مشرقی پاکستان علیحدہ ہوا یا اسے علیحدہ کیا گیا۔ اس سوال کے مختلف جوابات ہو سکتے ہیں' میں یہ سوال بھی نہیں کروں گا کہ اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے لیکن سقوط مشرقی پاکستان کے ان گنت پہلو ہیں اور دنیا کی ہر قوم ان تمام پہلوؤں کا جائزہ لیتی ہے' اس کی تحقیقات ہوتی ہیں کہ آخر اس المیہ کی کیا وجہ یا کیا وجوہ تھیں' یہ ایک عسکری شکست تھی یا اخلاقی' سیاسی' اقتصادی ناکامیوں کے نتیجے میں یہ المیہ رونما ہوا؟

جنرل انصاری ---- میں پوری دیانت داری کے ساتھ عرض کروں گا کہ سقوط مشرقی پاکستان کی صرف ایک ہی وجہ تھی کہ ہم نے مشرقی پاکستان کے عوام اور اپنے درمیان وہ رشتہ قائم نہ رہنے دیا جو ہمارے درمیان مشترک تھا اور وہ اسلامی اخوت کا رشتہ تھا۔ ہمارے اور ان کے درمیان اور کوئی بات مشترک نہیں تھی' نہ جغرافیہ' نہ زبان' نہ نسل' نہ ثقافت اور نہ تہذیب۔ ہم ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ ہمارے مابین اگر کوئی رشتہ تھا تو وہ اسلام تھا۔ وہ مسلمان ہونے کے ناطے ہمارے ہم قوم تھے مگر ہم نے ان کے ساتھ اسلامی اخوت کا رشتہ قائم نہیں رہنے دیا۔ ہم نے انہیں قومی زندگی کے ہر شعبے میں

**"مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان ایک ہی رشتہ مشترک تھا اور وہ تھا اسلامی اخوت کا رشتہ۔ ہم نے یہ رشتہ قائم ہی نہیں رہنے دیا اور ملک ٹوٹنے کی واحد وجہ یہی تھی"**

پسماندہ رکھا۔ فوج' سیاست' حکومت' نوکر شاہی اور اقتصادی منصوبہ بندی میں ہر جگہ مغربی پاکستان کے لوگ چھائے ہوئے تھے حالانکہ مشرقی پاکستان کے لوگ واضح اکثریت میں تھے اور تحریک پاکستان میں بھی ان کا کردار نمایاں تھا لیکن ان کے ساتھ دوسرے درجے کے شہریوں کا سلوک کیا گیا۔ بلکہ میں یہ عرض کروں گا کہ ان کے ساتھ مفتوحہ علاقے کے باشندوں جیسا سلوک کیا گیا۔ دیانت داری سے اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو گی کہ مشرقی پاکستان کو ایک کالونی سمجھا گیا' نوکر شاہی کے جو افراد یہاں سے وہاں جاتے تھے وہ بھی اسے اپنی کالونی سمجھتے تھے --- جس کے نتیجے میں وہ جذبہ جو تحریک پاکستان کے دنوں میں اجاگر ہوا تھا ہمارے اس سلوک کے باعث ماند پڑ گیا۔ میں اس سلسلے میں مشرقی پاکستان کے لوگوں کو قصور وار نہیں سمجھتا بلکہ یہ سارا قصور ہمارا ہے۔

**"مشرقی پاکستان میں عسکری شکست نہیں ہوئی۔ اگر بھارت نے قبضہ کیا ہوتا تو بھارتی فوج وہاں آج بھی موجود ہوتی"**

☆ جنرل صاحب! اس زیادتی کی ابتدا کس نے کی اور کہاں سے ہوئی؟

جنرل انصاری ---- ہم نے اپنا پہلا آئین ہی بے انصافی پر بنایا۔ ۱۹۵۶ء کے آئین کی بنیاد پیریٹی یا مساوی نمائندگی کا اصول تھی۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ اگر وہ اکثریت میں تھے تو انہیں زیادہ ملنا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اگر ہم ایک قوم تھے' ایک ملک تھے تو پھر اس میں کسی حصے کی اقلیت یا اکثریت کا سوال کس طرح پیدا ہوا --- میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں "ون مین ون ووٹ" کا اصول پہلے ہی مان لینا چاہئے تھا' اگر مشرقی پاکستان کے زیادہ نمائندے منتخب ہو کر اسمبلی میں آ جاتے تو اس سے کیا قیامت ٹوٹ پڑتی' آخر وہ بھی تو پاکستانی ہوتے اور پاکستان بنانے میں ان کا کردار کسی طرح کم نہیں تھا بلکہ بہت زیادہ تھا۔ چنانچہ زیادتی کی ابتدا پیریٹی سے ہوئی اگرچہ مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے سیاست دانوں نے اس کو تسلیم کر لیا تھا لیکن بہرحال یہ زیادتی تھی۔ پھر نوکر شاہی کے علاوہ جو صنعت کار اور تاجر یہاں سے گئے انہوں نے بھی ان کا استحصال کیا اور ان سے کوئی اچھا سلوک نہیں کیا۔ مشرقی پاکستان میں یہ لوگ بنگالیوں سے بالکل الگ کالونیاں بنا کر رہے' ایسا بہت کم دیکھنے میں آیا کہ بنگالی اور غیر بنگالی ایک ساتھ رہتے ہوں --- اگر بنگالیوں کو ان کا حق ملا ہوتا تو یہاں تک نوبت ہرگز نہیں آتی ---

**"ہم نے بنگلہ عوام کو فوج' سیاست' حکومت' نوکر شاہی اور اقتصادی منصوبہ بندی سمیت زندگی کے تمام شعبوں میں پسماندہ رکھا" ○ ایم ایچ انصاری**

☆ جناب! بات اب ۱۹۷۱ء کی شکست کے بارے میں ہو جائے --- کیا آپ اس بات سے اتفاق کریں گے کہ مشرقی پاکستان میں حکمرانوں کو اور موجودہ پاکستان کو ہر محاذ پر شکست ہوئی' اخلاقی طور پر' سیاسی طور پر اور عسکری طور پر؟

جنرل انصاری ---- جی نہیں! میں سمجھتا ہوں کہ ۱۹۷۱ء کی شکست عسکری نہیں تھی' کیونکہ فوج تنہا نہیں لڑتی بلکہ پوری قوم لڑتی ہے لیکن وہاں قوم ایک طرف تھی اور فوج تنہا ہو گئی تھی۔ وہاں کے لوگوں کی یہ سوچ تھی کہ آخر مغربی پاکستان کی فوج وہاں کیوں موجود ہے' وہ اس کا کوئی جواز نہیں سمجھتے تھے۔ انہیں مغربی پاکستان کی فوج سے شدید نفرت تھی۔ سو پورے وثوق کے ساتھ میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر کسی مشرقی پاکستانی نے ہماری فوج کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اسے کوئی موقع نہیں ملا۔ جسے بھی موقع ملا اس نے زک پہنچانے کی پوری کوشش کی ---- بلاشبہ وہاں

(باقی صفحہ ۵۶ پر)

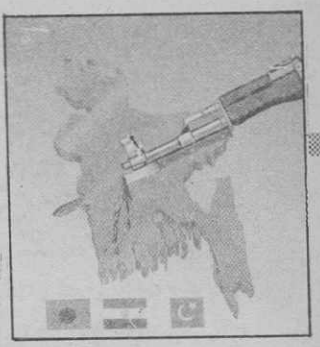

# مشرقی پاکستان کس نے علیحدہ کیا؟

## اہم شخصیات کے انٹرویوز کے آئینے میں

### جنرل اعظم خان (مرحوم)

دراصل مشرقی پاکستان کو قیام پاکستان کے بعد ہی سے مسلسل نظرانداز کیا گیا۔ بلکہ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ قیام پاکستان سے قبل ہی بنگال کو نظرانداز کیا گیا۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں معرکتہ الآرا فتح کے باوجود متحدہ ہندوستان کی مرکزی عبوری حکومت میں بنگال کے منتخب مسلمان نمائندوں کی بجائے ایک اچھوت لیڈر کو شامل کیا گیا حالانکہ بنگال اور آسام میں متعدد اہم مسلم رہنماؤں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ مجھے خود بنگال کے بعض لیڈروں نے بتایا کہ ہم نے اس وقت یہ سمجھ لیا تھا کہ ہم سے اچھوتوں والا سلوک کیا جائے گا' قیام پاکستان کے بعد

بنگال یا پنجاب سے تعلق رکھنے والے کسی رہنما کو وزیر اعظم بنانے کی بجائے لیاقت علی خان کو یہ منصب سونپا گیا جو ہرگز اس ذمہ داری کے اہل نہ تھے۔ میں دیانت داری سے محسوس کرتا ہوں کہ اگر سہروردی پاکستان کے پہلے وزیر ہوتے تو کم از کم یہ بنیادی اصلاحات فوری طور پر کی جاسکتی تھیں :

۱) آئین ۱۹۴۸ء کے آخر تک بن جاتا اور عام انتخابات ۱۹۴۹ء کے اوائل میں منعقد کر کے پنڈورا بکس کو کھلنے سے روکا جاسکتا تھا۔

۲) جاگیرداری نظام ختم کر کے ملک میں حقیقی پارلیمانی نظام قائم کرنے اور ملک میں ایک آزاد خارجہ پالیسی کی مضبوط بنیاد رکھی جاسکتی تھی۔

۳) کشمیر کا مسئلہ ۱۹۴۸ء کے آخر تک حل کیا جاسکتا تھا۔

۴) ان اختلافی مسائل کو حل کیا جاسکتا تھا جن کے باعث مشرقی اور مغربی حصوں کے درمیان نفرت کی دیوار طویل سے طویل تر ہوتی گئی۔

۵) بنگال کی موثر مسلم قیادت کو کرش کرنے کے لئے ہر وہ اقدامات کئے گئے جو ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنگال میں کئے تھے۔ اگر بنگال کی موثر مسلم قیادت کو کرش نہ کیا جاتا تو بنگال میں احساس محرومی کی آگ کو ہوا نہ ملتی۔

۶) یحییٰ خان اور بھٹو کا رویہ انتہائی نامعقول ' غیر مہذب' غیر اخلاقی اور غیر سیاسی تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ بنگالیوں کو جان بوجھ کر مشتعل کیا جا رہا ہے۔

۷) ٹکا خان اور اس کے اسٹاف نے آخری نو ماہ کے دوران جو ظالمانہ رویہ اختیار کیا اس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

۸) جب امریکہ نے دیکھا کہ یہ بدبخت علیحدگی میں خوش ہیں تو اس نے بھی اپنا کردار ادا کیا۔ بھارت اور روس بھی اس خطے کے مستقبل میں اپنا حصہ لینے کے لئے کود پڑے اور انہوں نے حالات سے خوب فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

۹) پاکستان میں "پاکستانی" نام کی کوئی قوم معرض وجود میں نہ آسکی کیونکہ بیوروکریسی کی اکثریت تنگ نظر' انگریزوں کی تربیت یافتہ اور "غلامی کے ورثے" سے مالا مال ہونے کے باعث پاکستانی قومیت کی تشکیل کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔

۱۰) دارالحکومت کی کراچی سے منتقلی' بار بار مارشل لاء کے نفاذ' مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے سیاست دانوں کی مسلسل کردار کشی اور ملک کے نظم و نسق میں ان کی عدم شرکت۔

۱۱) بنگالیوں کی امنگوں اور آرزوؤں کو مسلسل نظر انداز کیا گیا۔

> "بنگال کی موثر مسلم قیادت کو کرش کرنے کے لئے ہر وہ اقدامات کئے گئے جو ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنگال میں کئے تھے۔ اگر بنگال کی موثر مسلم قیادت کو کرش نہ کیا جاتا تو بنگال میں احساس محرومی کی آگ کو ہوا نہیں ملتی"

۱۲) مستقبل میں نہ صرف یہ کہ بنگلہ دیش اور پاکستان کے دوبارہ اتحاد کا کوئی امکان نہیں بلکہ خدانخواستہ اگر کوئی وسیع کشمکش ہوئی تو ہندوستان کے مسلمان بھی پاکستان کا ساتھ نہیں دیں گے کیونکہ وہ محسوس کر چکے ہیں کہ پاکستان جن مقاصد کے لئے حاصل کیا گیا تھا انہیں جان بوجھ کر نظرانداز کر دیا گیا ہے۔

(۱۳ نومبر ۱۹۹۲ء --- طویل انٹرویو سے اقتباس)

### خواجہ سید خیرالدین

علیحدگی کی ذمہ داری بھٹو پر عائد ہوتی ہے اور

میں نے یہ بات بھٹو کے منہ پر کہی تھی جس کا جواب اس نے قہقہ لگا کر دیا تھا۔

میں اگرچہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں شیخ مجیب کا حریف تھا اور میں اس کے کارکنوں کی غنڈہ گردی کے باعث انتخاب میں کامیاب نہیں ہوا تھا لیکن ہمارے درمیان اختلافات صرف انتخابات تک ہی محدود

> "مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب آخری موثر ترین شخص تھا جو پاکستان کو ایک رکھنے کے لئے اپنی زندگی بھی قربان کر سکتا تھا۔ لیکن علیحدہ کرنے والی قوتیں اور تھیں"

رہے' اختلافات کا ہمارے باہمی تعلقات پر کوئی اثر نہ پڑا اور نہ یہ اختلافات ہمارے گھروں کی چار دیواری میں داخل ہوئے تھے۔ ہم اکثر قومی اور ملکی معاملات کے بارے میں تبادلہ خیال کیا کرتے تھے' میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مجیب علیحدگی نہیں چاہتا تھا' لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مارشل لاؤں کے مسلسل نفاذ اور مادر ملت کی صدارتی انتخابات میں شکست اور ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد مشرقی پاکستان میں احساس محرومی نے ایک وبائی صورت اختیار کر لی تھی اور اس لحاظ سے مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب آخری موثر ترین شخص تھا جو پاکستان کو ایک رکھنے کے لئے اپنی زندگی بھی قربان کر سکتا تھا۔ لیکن علیحدہ کرنے والی قوتیں اور تھیں' مجھے ذاتی طور پر مجیب نے بتایا تھا کہ اس نے صرف اسی لئے ۲۶ مارچ ہی صبح اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا تاکہ مرکزی حکومت اس سے ضروری مذاکرات کر سکے۔ لیکن اس کے

> "ایک بات اب تک نہیں سمجھ سکا کہ اسلام آباد کی حکومت نے مجھے اور اقوام متحدہ میں اپنے مستقل مندوب آغا شاہی کو بھارتی جارحیت کے خلاف قرارداد مذمت پیش کرنے سے کیوں روک دیا تھا جبکہ پوری عالمی برادری اس مسئلہ پر بھارت کی مذمت کرنے اور پاکستان کی حمایت کرنے کے لئے تیار تھی" ○ محمود علی

اس جذبے سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا گیا' اس نے کئی لوگوں کے ذریعے حکمرانوں کو مذاکرات کے پیغام بھیجے لیکن اس پر کوئی توجہ نہیں دی گئی--

میں نے خواجہ صاحب سے سوال کیا۔ "اگر وہ انتہائی مخلص تھا تو پاکستان کے اتحاد کے لئے تو اس نے قید سے رہائی کے بعد ڈھاکا پہنچنے کے بعد یہ اعلان کیوں نہیں کیا؟"

خواجہ صاحب برہمی سے بولے --- "بھائی! تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو' اسے رہا اس وقت کیا گیا جب پاکستانی فوج ہتھیار ڈال کر بھارتی کیمپوں میں منتقل کی جا چکی تھی' بنگلہ دیش پر عملی طور پر بھارتی فوج کا قبضہ تھا۔ چین کے سوا تمام سپر طاقتیں بنگلہ دیش کو تسلیم کر چکی تھیں۔ مجیب کو جب رہائی ملی تو ساری صورتحال تبدیل ہو چکی تھی' اس وقت اگر وہ اس قسم کی باتیں کرتا تو اس کے لوگ ہی اس کو پاگل خانے میں بند کر دیتے۔ رہائی کے بعد اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس کے لوگوں کا اعتماد اس پر قائم رہے اور وہ بنگلہ دیش کی سرزمین کو بھارتی افواج سے خالی کرا سکے' اس وقت تک بھارتی فوج جہاں بھی گئی تھی وہاں مستقل طور پر قیام پذیر ہو گئی' حیدر آباد دکن' گوا' جوناگڑھ' مانادور اور کشمیر کو اس سلسلے میں بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے' چنانچہ یہ اس کا سب سے بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے بنگلہ دیش کی سرزمین سے بھارتی فوج کا انخلا ممکن بنایا اور یہ بھی اس کا ہی کارنامہ ہے کہ موجودہ پاکستان برقرار ہے ورنہ اگر مجیب یہ دعویٰ کر دیتا کہ مشرقی پاکستان ہی اصل پاکستان ہے تو ساری دنیا اس کو تسلیم کر لیتی کیونکہ اکثریت اس کی تھی اور موجودہ پاکستان میں پاکستان نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ مغربی پاکستان کا صوبہ ختم ہو چکا تھا اور اس کی جگہ چار صوبے بنا دیئے گئے تھے اور ہر صوبے کا رخ ایک دوسرے کا مخالف سمت تھا۔

(۱۸ جولائی ۱۹۸۹ء---- طویل انٹرویو سے اقتباس)

## پیر محسن الدین عرف دودو میاں

۱۹۵۶ء کا آئین بحال کر کے اس کے تحت عام انتخابات کرا دیئے جاتے تو ملک میں بحران رونما نہ ہوتا اور موقع پرست لوگوں کو ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع ہرگز نہ ملتا --- ۱۹۵۶ء کے آئین کے تحت انتخابات منعقد کرانے کے لئے بھٹو کے سوا تمام سیاسی لیڈر تیار تھے' بھٹو نے یحییٰ خان کو پٹی پڑھائی کہ وہ

> "۱۹۵۶ء کا آئین بحال کر کے اس کے تحت عام انتخابات کرا دیئے جاتے تو ملک میں بحران رونما نہ ہوتا" ○ پیر محسن الدین

اس طرح انتخابات کرائے کہ تمام سیاسی جماعتیں اس کی محتاج رہیں۔ اس کے دو ہی طریقے تھے ایک تو یہ کہ کسی بھی سیاسی جماعت کو واضح اکثریت حاصل نہ ہو اور دوسرے یہ کہ انتخابات پارلیمنٹ کی بجائے آئین ساز اسمبلی کے لئے کرائے جائیں۔ چنانچہ یحییٰ خان نے رسک لینے کی بجائے دونوں طریقے آزمائے' ایک میں اسے ناکامی اور دوسرے میں کامیابی ہوئی یعنی آئین ساز اسمبلی کے لئے انتخابات کرانے میں۔ ایل ایف او کے تحت انتخابات کرائے گئے۔ اس میں دو شرائط واضح طور پر تمام سیاسی جماعتوں سے پیشگی ہی منوا لی گئی تھیں یعنی ایک سو بیس دن کے اندر دستور مکمل کرنے اور اسے منظور یا مسترد کرنے کا مکمل اختیار سی ایم ایل اے اور صدر یحییٰ خان کو دے دیا گیا تھا' آئین کی منظوری کی شکل میں اقتدار منتخب نمائندوں کو سپرد کیا جانا تھا اور مسترد کرنے کی صورت میں پوری اسمبلی ہی ختم ہو جاتی چنانچہ انتقال اقتدار کا مسئلہ تو جان بوجھ کر پیدا کیا گیا اور یہ مطالبہ بھٹو نے کیا تھا۔

(۱۱/ اکتوبر ۱۹۹۵ء---- طویل انٹرویو سے اقتباس)

محمود علی -- وفاقی وزیر برائے کیبنٹ ڈویژن' و
صدر تحریک تکمیل پاکستان

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی ذمہ داری ایوب خان پر اور پھر یحییٰ پر عائد ہوتی ہے۔ ایوب نے ۱۹۵۶ء کا متفقہ آئین منسوخ کر کے متحدہ پاکستان کے قتل کے فرمان پر دستخط کر دیئے تھے' یہ عوام کی حب الوطنی تھی کہ اس عمل کے باوجود پاکستان بارہ سال تک قائم رہا۔ یحییٰ خان نے جو کچھ کیا وہ سب کے سامنے ہے لیکن میں ایک بات اب تک نہیں سمجھ سکا کہ اسلام آباد کی حکومت نے مجھے اور اقوام متحدہ میں اپنے مستقل مندوب آغا شاہی کو بھارتی جارحیت کے خلاف قرارداد مذمت پیش کرنے سے کیوں روک دیا تھا جبکہ پوری عالمی برادری اس مسئلہ پر بھارت کی مذمت کرنے اور پاکستان کی حمایت کرنے کے لئے تیار تھی --- مجھے اقوام متحدہ (اس وقت) کے سیکرٹری جنرل اوتھان نے خود کہا تھا کہ وہ پاکستان کی حمایت کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن پہلے آپ اپنی

حکومت سے اس کی منظوری حاصل کر لیں۔ میں نے جب اسلام آباد سے رجوع کیا تو مجھے بھی مزید کارروائی سے روک دیا گیا۔

میں جب پاکستان واپس آیا تو بھٹو اس وقت پاکستان کے صدر بن چکے تھے۔ انہوں نے مجھ سے اور پھر نور الامین صاحب سے دریافت کیا کہ مجیب کو سزائے موت مل چکی ہے' میں کیا کروں اسے رہا کر دوں یا اس کی سزا پر عمل کروں۔" میں نے اور نور الامین صاحب نے یک زبان ہو کر کہا --- اس کو رہا کر دیا جائے ---- اور اقتدار میں شامل کیا جائے۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ مجیب کو رہا کر دیا گیا اور اسے لندن بھیج دیا گیا۔

(انٹرویو سے اقتباس)

# ایک مہیب داغِ ندامت

## اسے کون مٹائے گا' کب مٹائے گا؟

### دستاویزِ سقوط

پاکستان ایسٹرن کمان نے مشرقی محاذ پر ہندوستان اور بنگلہ دیش کی فوجوں کے جنرل آفیسر کمانڈنگ انچیف لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کے سامنے ہتھیار ڈالنا منظور کر لیا ہے۔ اس سپراندازی کا اطلاق بنگلہ دیش میں موجود پاکستان کی تمام مسلح افواج پر ہو گا جن میں پاکستان کی بری' فضائی اور بحری افواج' نیم عسکری تنظیمات اور سول آرمڈ فورسز شامل ہیں۔ افواج کی جو نفری جس مقام پر موجود ہے اسی مقام پر لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کی زیر کمان باقاعدہ انڈین آرمی کے قریب ترین دستوں کے سامنے ہتھیار ڈالے گی۔

اس دستاویز پر دستخط ثبت ہونے کے فوراً بعد پاکستان کی ایسٹرن کمان لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کے احکام کے تحت آ جائے گی۔ "دستاویز سقوط" کی دفعات کے معانی یا توجیحات میں کوئی شبہ پیدا ہونے کی صورت میں لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کا فیصلہ آخری ہو گا۔

لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ یہ ضمانت دیتے ہیں کہ جو سپاہی ہتھیار ڈالیں گے' ان سے عزت و احترام کا وہی سلوک کیا جائے گا جس کے وہ جنیوا کنونشن کی دفعات کی رو سے مستحق ہیں۔ نیز پاکستان کی جو فوجی اور نیم فوجی نفری ہتھیار ڈالے گی ان کی سلامتی اور بہبود کی ضمانت بھی دی جاتی ہے۔ لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کی ماتحت فوج' غیر ملکی باشندوں' نسلی و لسانی اقلیتوں اور مغربی پاکستان کے باشندوں کی حفاظت کریں گی۔

(دستخط)
امیر عبداللہ خان نیازی
(لیفٹیننٹ جنرل)
مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون بی
اور کمانڈر ایسٹرن کمانڈ (پاکستان)
۱۶/ دسمبر ۱۹۷۱ء

(دستخط)
جگجیت سنگھ اروڑہ
(لیفٹیننٹ جنرل)
جنرل آفیسر کمانڈنگ انچیف افواج ہندوستان
و بنگلہ دیش مشرقی محاذ
۱۶/ دسمبر ۱۹۷۱ء

## "دو دل اِک دوجے کولوں دور ہو گئے"

جس رات بنگلہ دیش کے قیام کا اعلان ڈھاکہ ریڈیو سے ہوا۔ وہاں سے اردو سروس میں یہ اعلان ہوا کرتا تھا "یہ ریڈیو بنگلہ دیش ہے" اس کے بعد پنجابی کا یہ گانا نشر ہوتا تھا:
دو دل اک دوجے کولوں دور ہو گئے

# پاکستان کو دولخت کرنے میں عالمی طاقتوں کا کردار

(ڈاکٹر صفدر محمود کی کتاب "پاکستان کیوں ٹوٹا؟" سے ایک اقتباس)

عالمی سیاست کی بساط پر ترقی پذیر ممالک کا مستقبل بڑی حد تک سپر طاقتوں کے رحم و کرم پر ہوتا ہے بنگلہ دیش کا قیام انہی طاقتوں کی شاطرانہ چالوں کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔

**روس :** روس نے بھارت کے ساتھ مل کر بنگلہ دیش کے قیام میں اہم بلکہ فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ روس کے نزدیک اسلامی مملکت کا تصور کسی طور پر بھی پسندیدہ نہ تھا۔ روس کے خیال میں ایسی تمام مساعی کسی ایک نظریے کو دوسرے نظریئے کے مقابل ترجیح دینے کے مترادف تھی روس کے نزدیک پاکستان "شہنشاہی" مفادات کا آلہ کار تھا کیونکہ پاکستان علانیہ طور پر مغربی نظام کا حامی تھا۔

روس نے پاکستان کے قیام پر قائداعظم کو نہ صرف مبارک باد کا کوئی پیغام ارسال نہ کیا بلکہ اس نئی مملکت کو تسلیم کرنے میں بھی نیم دلانہ طرز عمل کا مظاہرہ کیا۔ سنٹو اور سیٹو میں پاکستان کی شمولیت کے بعد روس نے پاکستان کے ساتھ معاندانہ رویہ اختیار کر لیا..... روس اور چین کے مابین ۱۹۶۹ء کی جھڑپوں کے بعد روس نے پاکستان پر واضح کر دیا کہ وہ چین کے ساتھ پاکستان کی دوستی کو پسند نہیں کرتا۔ روس کے وزیر دفاع نے پاکستان کے دورہ کے دوران کہا کہ "آپ بیک وقت روس اور چین سے دوستی نہیں رکھ سکتے۔" روس نے چین کی پیش بندی کے لئے اپنی سرپرستی میں علاقائی اتحاد کا تصور پیش کیا۔ مگر پاکستان نے چین کے خلاف کسی محاذ میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ جس کی بنا پر روس پاکستان سے سخت ناراض تھا۔ ان عوامل ۱۹۷۱ء کے عشروں نے روسی رویئے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ مارچ ۷۱ء میں روس پاکستان کے اندرونی بحران میں دلچسپی کا اظہار کرنے والی پہلی عالمی طاقت تھا۔ روس نے واضح طور پر کہا "روس پاکستان کی موجودہ صورت حال سے لاتعلق نہیں رہ سکتا"۔

**امریکہ :** نومبر ۷۱ء میں جب پاک بھارت تصادم کا آغاز ہوا تو پاکستان نے دفاعی معاہدوں کے حوالے سے امریکی امداد حاصل کرنے کی کوشش کی مگر امریکہ نے یہ کہہ کر امداد دینے سے انکار کر دیا کہ ان معاہدوں کا مقصد صرف کیمونسٹ طاقتوں کے خلاف تحفظ فراہم کرنا ہے۔ پاکستان میں امریکہ کے ساتویں بحری بیڑے کی نقل و حرکت کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر موجود رہے ہیں۔ اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ "انٹرپرائز" کی آمد کا مقصد امریکی اور پاکستانی شہریوں کا انخلاء تھا نہ کہ امریکہ اس بیڑے کے ذریعے سقوط مشرقی پاکستان روکنے کے لئے اسلحہ فراہم کرنا چاہتا تھا.... ہنری کسنجر خود اس امر کا اعتراف کر چکے ہیں کہ امریکہ مشرقی بنگال کے لئے سیاسی خود مختاری کے حق میں تھا اور یہ کہ "اب کچھ بھی ہو مشرقی پاکستان کا جانا اٹل ہے" چنانچہ اس امر میں کوئی شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ بنگالیوں کی علیحدگی کی تحریک کو امریکہ کی پوری ہمدردی حاصل تھی اور امریکہ پاکستان کی فوج کو شکست سے بچانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ دراصل اس کی حکمت عملی کا مقصد اپنے مخصوص مفادات کے حصول کے لئے اور علاقے میں بھارت یا روس کی بالادستی کے خطرے کے پیش نظر مغربی پاکستان کو ٹوٹنے سے بچانا تھا۔ چنانچہ نکسن نے فیصلہ کیا کہ مغربی پاکستان کو بچانے کے لئے براہ راست فوجی مداخلت کے سوا ہر ممکن اقدام کیا جائے۔

**چین :** اگرچہ کیمونسٹ اصطلاح میں پاکستان "سامراجی کیمپ" کا رکن تھا۔ مگر چین نے پاکستان کے ساتھ مراسم نبھانے میں ہمیشہ دانشمندی کا ثبوت دیا۔ ۱۰/مارچ ۷۱ء میں فوجی کارروائی کے بعد پاکستان کو ایک سنگین بحران کا سامنا تھا جس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے چین نے پاکستان کو ہر ممکن اخلاقی اور مادی امداد فراہم کی۔ چین کے وزیراعظم چو این لائی نے یحییٰ خان کو خط میں لکھا "اگر بھارتی توسیع پسندوں نے پاکستان کے خلاف جارحیت کے آغاز کی جرات کی تو وطن کی سالمیت اور قومی آزادی کے تحفظ کے لئے پاکستانی حکومت اور عوام کو ہمیشہ کی طرح چینی حکومت اور عوام کی تائید حاصل ہوگی"۔ ۷۱ء کے بحران کے دوران چین نے پاکستان کو قابل قدر فوجی امداد فراہم کی.... چین اخلاقی طور پر پاکستان کی مدد کرنے کا پابند تھا۔ پاکستانی عوام سے قطع نظر خود امریکی حکومت کا خیال بھی تھا کہ چین پاک بھارت جنگ میں ضرور مداخلت کرے گا۔ مگر روس اور بھارت کے مابین دوستی کے معاہدے کے بعد بین الاقوامی صورت حال ایک نئی کروٹ لے چکی تھی۔ چین پاکستان کی مدد کر کے روس کے ساتھ براہ راست تصادم کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ چین نے حکومت پاکستان کو مشورہ دیا کہ وہ بھارت کے ساتھ جنگ کرنے سے گریز کرے اور مسئلے کا کوئی معقول حل تلاش کرے.... چینی قیادت کے بیانات اس امر کے مظہر ہیں کہ چین کا وعدہ صرف سفارتی اور فوجی حد تک محدود تھا اور پاک بھارت جنگ میں چین کی عملی مداخلت کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا.... چین کی براہ راست مداخلت کا سیدھا سادا مطلب بھارت کی جانب سے روس کی جنگ میں شمولیت تھا۔ چین کی طرف سے مشرقی پاکستان میں مداخلت کی یقین دہانی پروپیگنڈا کے سوا کچھ نہیں تھی۔

"پاکستان کیوں ٹوٹا" ص ۱۸۹ تا ۲۰۰ : از ڈاکٹر صفدر محمود

## ڈھاکہ میں حالات پرسکون تھے لیکن اجلاس ملتوی کرنے کا اعلان ہوتے ہی ہنگامے شروع ہو گئے

## سابق گورنر عبدالمنعم خان کو ان کی رہائش گاہ پر قتل کر دیا گیا

## ارکان اسمبلی کی اکثریت کو نااہل قرار دے دیا گیا

## ڈھاکہ انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں بم دھماکہ --- فضل القادر چوہدری بال بال بچ گئے

# ۷/ دسمبر ۱۹۷۰ء سے ۱۶/ دسمبر ۱۹۷۱ء تک

## حالات کی رفتار۔ کیلنڈر کی روشنی میں

۷ دسمبر: پاکستان میں پہلی بار ایک فرد ایک ووٹ کی بنیاد پر قومی اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔ قومی اسمبلی کی ۳۱۳ نشستوں میں سے عوامی لیگ نے ۱۶۷ نشستوں پر کامیابی حاصل کی' دوسری بڑی پارٹی پاکستان پیپلز پارٹی جسے ۸۲ نشستیں حاصل ہوئیں' سرحد اور بلوچستان کے صوبوں میں نیشنل عوامی پارٹی (ولی گروپ) اور جمعیت علمائے اسلام کے امیدوار کامیاب ہوئے' جمعیت العلمائے پاکستان کے چار امیدواروں کو کراچی اور حیدر آباد سے کامیابی حاصل ہوئی۔ مسلم لیگ کے تینوں گروپوں نے مجموعی طور پر سولہ نشستیں حاصل کیں۔ جماعت اسلامی کو چار اور پاکستان جمہوری پارٹی کو صرف ایک نشست مل سکی' تحریک استقلال کو کوئی نشست نہ مل سکی۔ مشرقی پاکستان میں صرف دو حضرات یعنی جناب نور الامین اور راجہ تریدی رائے کو عوامی لیگ کے خلاف کامیابی مل سکی' نیشنل عوامی پارٹی بھاشانی گروپ پاکستان نیشنل لیگ اور نیشنل کانگریس نے انتخابات کا بائیکاٹ کیا۔

۱۷ دسمبر: صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں مشرقی پاکستان اسمبلی میں عوامی لیگ نے بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔ تین سو میں سے دو سو اناسی نشستوں پر عوامی لیگ کے امیدوار کامیاب ہوئے جبکہ جماعت اسلامی' جمہوری پارٹی' نیشنل عوامی پارٹی (ولی گروپ) اور آزاد امیدواروں نے بقیہ نشستیں حاصل کیں۔ پنجاب اور سندھ میں پیپلز پارٹی نے اکثریتی پارٹی ہونے کا اعزاز حاصل کیا' جبکہ بلوچستان اور سرحد میں نیپ' جمعیت العلمائے اسلام اور قیوم لیگ نے مساوی قوت سے کامیابی حاصل کی۔

۳ جنوری: ڈھاکا کے ریس کورس گراؤنڈ میں تقریباً بیس لاکھ حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے عوامی لیگ کے سربراہ نے قومی و صوبائی اسمبلیوں کے لئے منتخب ہونے والے عوامی لیگ کے ارکان سے حلف لیا کہ وہ چھ نکات کے پروگرام سے ہرگز غداری نہیں کریں گے اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کے رائے دہندگان کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ انہیں زندہ دفن کر دیں۔ اس جلسہ عام میں یہ بھی اعلان کیا گیا کہ ملک کا آئندہ دستور چھ نکات کی بنیاد پر تیار کیا جائے گا۔

۱۴ جنوری: صدر جنرل یحییٰ خان نے کراچی واپس آنے سے قبل ڈھاکا کے ہوائی اڈے پر اعلان کیا کہ شیخ مجیب الرحمٰن پاکستان کے وزیر اعظم ہوں گے۔ انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس جلد سے جلد طلب کرنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ قبل ازیں انہوں نے ڈھاکہ میں عوامی لیگ کے سربراہ سے طویل ترین مذاکرات کئے۔

۲۷ جنوری: ڈھاکا میں عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کے سربراہوں کے درمیان بات چیت شروع ہوئی۔ ۲۸ اور ۲۹ جنوری کو بھی دونوں رہنماؤں نے تبادلہ خیال کیا۔ شیخ مجیب نے اعلان کیا کہ وہ چھ نکاتی پروگرام سے ہرگز منحرف نہیں ہوں گے جبکہ زیڈ اے بھٹو نے کہا کہ چھ نکاتی پروگرام وفاقی طرز حکومت کے منافی اور کنفیڈریشن کے مطابق ہے۔

۳۰ جنوری: پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ کے رہنماؤں نے ایک آرائشی اسٹیمر "میری اینڈرسن" میں دریائے بوڑھی گنگا کی سیر کی۔ اس سہ پہر کراچی روانگی سے قبل پی پی کے لیڈر نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ شیخ صاحب سے میری جو بات چیت ہوئی ہے اس پر میں اپنی پارٹی کے ارکان سے تبادلہ خیال کروں گا۔ شیخ مجیب نے ۱۵ فروری کو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے کا فیصلہ کیا جبکہ پی پی کے لیڈر نے یکم مارچ کو اجلاس طلب کرنے کی تجویز پیش کی۔

۲ فروری: آئینی بحران شروع ہوتے ہی یحییٰ خان نے بقول ان کے سیاسی کشیدگی ختم کرنے کے لئے اپنی وزارتی کونسل توڑنے کا اعلان کر دیا۔

۳ فروری: دو کشمیری نوجوانوں نے جو خود کو کشمیری حریت پسند کہتے تھے ایک بھارتی فوکر فرینڈ شپ طیارہ اغوا کر لیا' اس طیارے کا نام "گنگا" تھا۔

طیارے کو لاہور کے ہوائی اڈے پر اتارا گیا۔ بھارت نے اس واقعے کی آڑ لے کر اپنی حدود میں پی آئی اے کے طیاروں کی پرواز پر پابندی لگا دی۔ جس کے باعث پاکستان کے دونوں حصوں کے درمیان فضائی آمد و رفت کو لمبے کے راستے سے ہونے لگی جس سے مسافت میں اڑھائی گنا اضافہ ہو گیا۔

۱۳ فروری : اسلام آباد میں اعلان کیا گیا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ۳/ مارچ سے ڈھاکا میں شروع ہو گا۔ بھٹو نے اسمبلی کے اجلاس کا بائیکاٹ کرنے کا اعلان کیا کیونکہ بھٹو کے بقول اجلاس سے قبل دونوں "اکثریتی" پارٹیوں کو آئینی مسائل پر مفاہمت کر لینی چاہئے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ اجلاس ملتوی کر دیا جائے یا پھر ایک سو بیس دن کے اندر دستور سازی کا کام مکمل کرنے کی پابندی اٹھائی جائے۔

یکم مارچ : دوپہر بارہ بجے ریڈیو پاکستان سے جنرل یحییٰ خان کا ایک اعلان پڑھ کر سنایا گیا جس کے مطابق ڈھاکا میں ۳/ مارچ کو متوقع قومی اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ اعلان کے مطابق صدر نے ۱۰/ مارچ کو ڈھاکا میں قومی اسمبلی کی تمام بارہ سیاسی جماعتوں کا ایک اجلاس طلب کرنے کا فیصلہ کیا ہے تا کہ اس میں آئینی مسائل کو مشترکہ طور پر حل کرنے کی کوشش کی جا سکے۔ بھٹو نے یہ دعوت قبول کر لی جبکہ شیخ مجیب اور متعدد دوسری جماعتوں نے یہ دعوت مسترد کر دی' اسی دوپہر شیخ مجیب نے اچانک طلب کردہ پریس کانفرنس میں مرکزی حکومت کے خلاف سول نافرمانی کے پروگرام کا اعلان کر دیا' انہوں نے مطالبہ کیا کہ مارشل لاء فوری طور پر اٹھا لیا جائے اور اقتدار بلا تاخیر عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے کیا جائے' اسی دن صوبائی گورنروں کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کرنے کا اعلان بھی کیا گیا' قبل ازیں مشرقی پاکستان کے گورنر ایڈمرل ایس ایم احسن اور کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل صاحبزادہ یعقوب خان نے احتجاجاً اپنے اپنے عہدوں سے استعفاء دے دیا۔

۶ مارچ : جنرل یحییٰ خان نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے ایک تقریر میں اعلان کیا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ۲۵ مارچ کو ڈھاکہ میں منعقد ہو گا۔

۷ مارچ : ریس کورس گراؤنڈ میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے شیخ مجیب الرحمٰن نے اعلان کیا کہ ان کی پارٹی قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت نہیں کرے گی تاوقتیکہ :

۱) اقتدار فوری طور پر عوام کے منتخب نمائندوں کو منتقل کیا جائے۔

۲) مارشل لاء فوری طور پر منسوخ کیا جائے۔

۳) فوج بیرکوں میں واپس چلی جائے۔

۴) مشرقی پاکستان میں قتل عام کی تحقیقات کرنے کے لئے عدالتی کمیشن مقرر کیا جائے۔

۸ مارچ : پورے مشرقی پاکستان میں سول نافرمانی کی تحریک جاری ہے' تمام سرکاری و غیر سرکاری ادارے عوامی لیگ ہائی کمان کے احکامات کی مکمل پابندی کر رہے ہیں' فوج کے سوا عملی طور پر پورا صوبہ عوامی لیگ کے کنٹرول میں ہے۔

۱۵ مارچ : جنرل یحییٰ خان آئینی تعطل دور کرنے کے لئے عوامی لیگ کے سربراہ سے مذاکرات کرنے ڈھاکہ پہنچ گئے۔ اسی دن ایوان صدر ڈھاکا میں دونوں کے درمیان اڑھائی گھنٹے تک بات چیت ہوئی۔ ملاقات کے بعد شیخ مجیب نے ایوان صدر کے باہر منتظر اخبار نویسوں کو بتایا کہ بات کچھ آگے بڑھی ہے۔

۱۶ مارچ : دوسرے سیاسی رہنما بھی ڈھاکا پہنچنا شروع ہو گئے۔ کونسل مسلم لیگ کے صدر میاں ممتاز دولتانہ' سردار شوکت حیات خان' خان عبدالولی خان' مولانا شاہ احمد نورانی' مفتی محمود' جناب جی ایم سید' غوث بخش بزنجو' سردار اکبر خان بگٹی اور دوسرے ارکان اسمبلی یکے بعد دیگرے ڈھاکا پہنچے اور انہوں نے علیحدہ علیحدہ شیخ مجیب سے بھی ملاقاتیں کیں۔ بھٹو ۲۱ مارچ کو ڈھاکہ پہنچے اور انہوں نے جنرل یحییٰ خان اور ان کے مشیروں سے جملہ مسائل پر تبادلہ خیال کیا۔

۱۷ مارچ : نیپ کے رہنما مولانا عبدالحمید خان بھاشانی نے ۲۳ مارچ کو پلٹن میدان میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرنے کا اعلان کیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس دن "آزاد" مشرقی پاکستان کی عبوری حکومت کا اعلان کریں گے۔

۱۹ مارچ : مشرقی پاکستان کے متعدد شہروں سے تشویش ناک اطلاعات مسلسل موصول ہو رہی

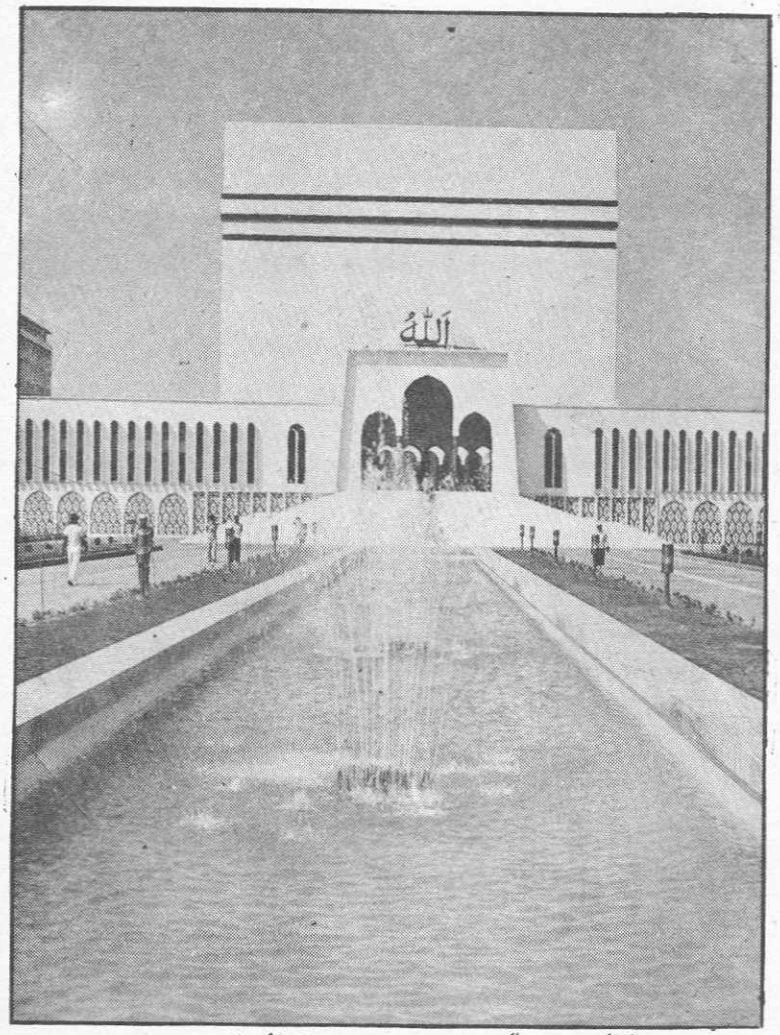


ڈھاکہ کی مسجد بیت المکرم۔ جو ان حالات و واقعات کی چشم دید گواہ ہے
جن کے نتیجے میں مشرقی پاکستان بنگلہ دیش میں تبدیل ہوا

تھیں۔ دیناج پور' کھلنا اور بعض دوسرے مقامات پر غیر بنگالیوں کا قتل عام کیا گیا۔

۲۱ مارچ : مولانا بھاشانی نے اچانک اپنا متوقع جلسہ منسوخ کرنے کا اعلان کیا اور اپنے گاؤں واپس چلے گئے۔

۲۳ مارچ : پورے مشرقی پاکستان میں ہڑتال تھی' کہیں بھی یوم پاکستان کے سلسلے میں کوئی جلسہ منعقد نہیں ہوا' ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کے نوٹس بورڈ پر صدر یحییٰ خان کا پیغام چسپاں کیا گیا تھا' کسی اخبار نے بھی یحییٰ خان کا پیغام نہیں شائع کیا۔

۲۴ مارچ : عوامی لیگ ہائی کمان کا ایک اجلاس شیخ مجیب کی رہائش گاہ پر منعقد ہوا جس میں متوقع ہنگامی

**"مولوی فرید احمد نے الزام لگایا کہ ٹکا خان کی انتظامیہ محب الوطن سیاست دانوں کی راہ میں روڑے اٹکا رہی ہے"**

حالات کے خطرے کے پیش نظر بے نذر الاسلام کو پارٹی کا قائم مقام سربراہ مقرر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اجلاس کے بعد عوامی لیگ مشرقی پاکستان کے جنرل سیکرٹری تاج الدین احمد نے اعلان کیا کہ ہم نے اپنے حتمی مطالبات پیش کر دیئے ہیں' اب حکومت کو فوری طور پر اپنا فیصلہ سنا دینا چاہئے' ہم اب مزید انتظار کے لئے تیار نہیں۔

۲۵ مارچ : خان عبدالقیوم خان اور ان کے ساتھی علی الصبح ڈھاکا سے کراچی چلے گئے' یحییٰ خان اور بھٹو اسی شام کراچی چلے گئے۔ رات دس بجے فوج نے ایکشن شروع کر دیا۔ کراچی پہنچ کر بھٹو نے بیان دیا کہ "خدا کا شکر ہے پاکستان کو بچا لیا گیا"۔

۲۶ مارچ : یحییٰ خان نے ریڈیو پاکستان سے اپنی تقریر نشر کرتے ہوئے شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کی سیاسی پارٹی عوامی لیگ کو "غدار" قرار دیتے ہوئے ان کی گرفتاری اور جماعت کو خلاف قانون قرار دینے کا اعلان کیا۔ انہوں نے ان واقعات پر روشنی ڈالی جس کے باعث انہیں اس انتہائی اقدام پر مجبور ہونا پڑا' انہوں نے دوسری سیاسی جماعتوں کی سرگرمیاں بھی معطل کرنے' اخبارات پر سنسر عائد کرنے اور مارشل لاء کے قواعد و ضوابط کو مزید سخت سے سخت تر کرنے کا اعلان بھی کیا۔ صدر نے اپنی ان کوششوں کا بھی ذکر کیا جو انہوں نے بحران دور کرنے کے لئے کی تھیں۔

۲۷ مارچ : کراچی میں اعلان کیا گیا کہ شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے دست راست ڈاکٹر کمال حسین کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور ان کی جماعت کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا ہے۔ ایک صدارتی حکم کے ذریعے بینکوں میں عوامی لیگ' اس کے رہنماؤں اور کارکنوں کے بینک اکاؤنٹ منجمد کر دیئے گئے ہیں۔ شیخ کی گرفتاری کے خلاف بھارت اور مغربی پاکستان کے بعض شہروں میں زبردست ردعمل ہوا۔ بھارتی لوک سبھا میں گرفتاری پر تشویش ظاہر کی گئی۔ اسی دن بھارتی کابینہ کے ہنگامی اجلاس کے بعد وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ نے بیان دیا کہ ہماری سرحدوں کے پاس جو کچھ ہو رہا ہے اس پر ہمیں گہری تشویش ہے۔ ڈھاکا اور دوسرے شہروں میں نافذ کرفیو دو گھنٹے کے لئے اٹھا لیا گیا۔ چٹاگانگ' کھلنا اور دیناج پور میں ایسٹ پاکستان رائفلز کے بنگالی فوجیوں نے غیر بنگالیوں کا قتل عام کیا۔ اس قتل عام کی نگرانی میجر ضیاء الرحمٰن نے کی۔ جس کا ذکر حکومت پاکستان کے جاری کردہ قرطاس ابیض میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

۳۱ مارچ : بھارتی لوک سبھا میں وزیر اعظم اندرا گاندھی نے ایک قرارداد پیش کی جس میں کہا گیا کہ بھارتی حکومت مشرقی پاکستان کے حالات سے زیادہ دیر تک لاتعلق نہیں رہ سکتی۔ قرارداد میں دوسری حکومتوں سے بھی کہا گیا کہ وہ مشرقی پاکستان میں موثر مداخلت کریں۔ حکومت پاکستان نے مشرقی پاکستان میں بھارت کی عملی مداخلت کے خلاف بھارتی حکومت سے شدید احتجاج کیا۔

۴ اپریل : مشرقی پاکستان کے بارہ سرکردہ لیڈروں کے ایک وفد نے صوبائی گورنر جنرل ٹکا خان سے ملاقات کی۔ وفد کی سربراہی جناب نور الامین نے کی جبکہ وفد میں پروفیسر غلام اعظم' خواجہ خیر الدین' شفیق الاسلام ایڈووکیٹ' مولوی فرید احمد اور مولانا نور الزماں شامل تھے۔

۲۱ مئی : صدر یحییٰ خان نے حالیہ ہنگاموں کے باعث ترک وطن کرنے والے پاکستانیوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے اپنے گھروں میں واپس آ جائیں۔

۲۲ مئی : بھاوتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے کانگریس پارٹی کے ارکان سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ بھارت مشرقی پاکستان سے آئے ہوئے پناہ گزینوں کو اس وقت تک پاکستان واپس نہیں بھیجے گا جب تک وہاں کے منتخب نمائندوں سے مفاہمت نہیں ہو جاتی۔

۲۶ مئی : بھارتی وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ نے اعلان کیا کہ اگر پاکستان کی حکومت مشرقی صوبے میں امن قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی تو بھارت جو مناسب اقدام سمجھے گا کرے گا۔

۲۹ مئی : ایک سرکاری ترجمان نے یقین دلایا کہ جو پاکستانی بھارت چلے گئے ہیں انہیں پاکستان قبول کرنے اور ان کی آباد کاری کے لئے ہر کارروائی کرنے کے لئے تیار ہے۔

۸ جون : ایک سرکاری ترجمان کے مطابق سرحد پر استقبالیہ کیمپوں میں بھارت سے واپس آنے والے پاکستانیوں کی تعداد پانچ ہزار سے تجاوز کر گئی۔

۹ جون : اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے مہاجرین پرنس صدر الدین ڈھاکا پہنچے۔ انہوں نے مشرقی پاکستان میں اپنے قیام کے دوران مختلف استقبالیہ کیمپوں کا دورہ کیا اور متعلقہ حکام سے واپس آنے والے پاکستانیوں کی دوبارہ آباد کاری کے انتظامات اور دوسرے مسائل کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔

۱۰ جون : صوبائی گورنر نے ڈھاکا میں عام معافی کا اعلان کرتے ہوئے ترک وطن کرنے والے تمام پاکستانیوں سے اپیل کی وہ فوری طور پر اپنے اپنے گھروں میں واپس آ جائیں اور دشمنوں کے پروپیگنڈے کی بالکل پروا نہ کریں۔

۱۱ جون : مشرقی پاکستان رائفلز اور ایسٹ بنگال رجمنٹ کے دو ہزار سے زائد مسلح نوجوانوں نے فوجی حکام کی جانب سے عام معافی کی پیشکش کو قبول کرتے ہوئے خود کو حکام کے حوالے کر دیا' ان میں ۲۶ اعلیٰ افسران اور ۲۹ جونیئر کمیشنڈ آفیسر شامل تھے۔

۱۳ جون : حکومت پاکستان نے کلکتہ میں پاکستان کے ڈپٹی ہائی کمشنر مہدی مسعود اور ان کے عملہ کے دوسرے افراد کی نقل و حرکت پر پابندی کے خلاف بھارتی حکومت سے شدید احتجاج کیا ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ یہ پابندیاں فوری طور پر ختم کر دی جائیں۔

۱۴ جون : اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے مہاجرین پرنس صدر الدین کے دورۂ پاکستان کی تکمیل کے بعد جنیوا اور اسلام آباد سے بیک وقت اعلان کیا گیا کہ تارکین وطن کی بحالی کے سلسلے میں اقوام متحدہ حکومت پاکستان سے ہر ممکن تعاون کرے گی۔ بیان میں استقبالی مرکزوں کی کارکردگی پر اطمینان کا اظہار کیا گیا اور بتایا گیا کہ ڈپٹی کمشنر کا ایک خاص نمائندہ ڈھاکا میں مقامی حکومت سے مسلسل رابطہ

قائم رکھنے کے لئے ڈھاکا میں مستقل طور پر قیام کرے گا۔

۱۹ جون : بھارتی فوج نے ضلع کھلنا کے ایک سرحدی گاؤں کاک ڈنگا پر توپوں سے پونے دو گھنٹے تک مسلسل گولہ باری کی جس سے آٹھ پاکستانی جاں بحق ہو گئے۔

۳ جولائی : بھارتی طیاروں نے ضلع دیناج پور کے قصبہ امر کھنا پر سرحدی حدود کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پرواز کی حکومت پاکستان نے اس واقعہ پر بھارتی حکومت سے شدید احتجاج کیا ہے۔

۵ جولائی : بھارتی وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ نے دھمکی دی کہ اگر اب پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ ہوئی تو بھارت اکیلا نہیں ہو گا۔

۲۰ جولائی : مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے سیاست دانوں کے ایک وفد نے اسلام آباد میں جنرل یحییٰ خان سے ملاقات کی اور انہیں مشرقی پاکستان کی تازہ ترین صورتحال سے آگاہ کیا۔

۲۲ جولائی : لائل پور (اب فیصل آباد) میں ایک فوجی عدالت میں شیخ مجیب الرحمن کے خلاف مارشل لاء کے ایک خفیہ ضابطہ کے تحت بغاوت کے الزام میں مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی۔ فوجی عدالت کے سربراہ بریگیڈیئر (بعد ازاں لفٹیننٹ جنرل) رحیم الدین خان تھے۔ عدالت میں شیخ مجیب الرحمن کی وکالت کے فرائض مسٹر اے کے بروہی نے انجام دیئے (مارشل لاء کے اس خفیہ ضابطے کا متن علیحدہ دیا جا رہا ہے)

۲۸ جولائی : مولوی فرید احمد نے اعلان کیا کہ وہ ہر حال میں حکومت پاکستان سے تعاون کریں گے' اپنی کتاب "سورج بادلوں کے پیچھے" کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے مارشل لاء انتظامیہ پر کڑی نکتہ چینی کی۔ انہوں نے الزام لگایا کہ ٹکا خان کی انتظامیہ محب الوطن سیاست دانوں کی راہ میں روڑے اٹکا رہی ہے۔

یکم اگست : سابق وزیر اعظم حسین شہید سہروردی کی صاحبزادی بیگم اختر سلیمان نے انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل ڈھاکا میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے امید ظاہر کی کہ حالات جلد معمول پر آ جائیں گے اور ملک میں قیام امن کے لئے سیاسی رہنماؤں اور صدر یحییٰ خان کے درمیان کوئی مفاہمت کسی بھی وقت متوقع ہے۔

۷ اگست : پاکستان جمہوری پارٹی کے سربراہ جناب نور الامین نے اپنی رہائش گاہ پر ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت ہر محب وطن پاکستانی کا فرض ہے کہ وہ بھارت کے جارحانہ عزائم سے خبردار رہے اور وطن کی حفاظت کے لئے کسی بھی قربانی سے گریز نہ کرے۔ انہوں نے انتباہ کیا کہ ملک کی بقا کو اس وقت جتنا خطرہ ہے اتنا پہلے کبھی نہ تھا۔

۸ اگست : پاکستان جمہوری پارٹی کے سیکرٹری جنرل جناب محمود علی نے ایک بیان میں امید ظاہر کی کہ پاکستان اپنے بحران پر جلد قابو پالے گا۔

۹ اگست : روس اور بھارت کے درمیان دوستی کے معاہدے پر دستخط کر دیئے گئے جو دراصل باہمی دفاعی معاہدہ تھا۔ معاہدے میں یہ شق بھی شامل تھی کہ فریقین میں سے اگر کسی ایک پر بھی حملہ کیا گیا تو

## روس نے امریکی قرارداد کو ایک بار پھر ویٹو کر دیا

دوسرا ملک جارح ملک کو اسلحہ کی سپلائی اور ہر قسم کی امداد بند کر دے گا۔

۱۱ اگست : ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل ڈھاکا میں جہاں پاکستان جمہوری پارٹی کے ایک رہنما نواب زادہ نصر اللہ خان اور کنونشن مسلم لیگ کے سربراہ فضل القادر چوہدری ٹھہرے ہوئے تھے بم کا زبردست دھماکہ ہوا جس سے ہوٹل کا گراؤنڈ اور فرسٹ فلور تباہ ہو گیا' ہوٹل انتظامیہ نے بتایا کہ اندازہ ہے کہ ہوٹل کو کم از کم پانچ لاکھ پاؤنڈ کا نقصان پہنچا ہے۔ اس حادثے میں دو افراد ہلاک اور کم از کم پچاس شدید زخمی ہوئے۔ اسی رات اگر تلا ریڈیو نے بتایا کہ نواب زادہ نصر اللہ خان اور فضل القادر چوہدری کو ہلاک کرنے کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔

۱۲ اگست : "مجیب نگر" ریڈیو سے تقریر کرتے ہوئے بنگلہ دیش کی عبوری حکومت کے وزیر اعظم تاج الدین احمد نے کہا کہ اگر یحییٰ خان ڈھاکا ایئر پورٹ پر کافی کا ایک کپ پی کر واپس کراچی چلے جائیں تو بنگلہ دیش کی حکومت انہیں اپنا لیڈر تسلیم کر لے گی' اس وقت یحییٰ خان ڈھاکا آنے کے لئے کراچی پہنچ چکے تھے لیکن اس اعلان کے بعد انہوں نے اپنا دورہ ملتوی کر دیا۔

۱۴ اگست : صدر یحییٰ خان نے ان عوامی لیگی ارکان اسمبلی کے ناموں کا اعلان کر دیا جن کی رکنیت بحال رکھی گئی ہے اور خالی نشستوں پر ضمنی انتخابات کرانے کا اعلان کیا گیا۔ ڈھاکا میں یوم استقلال پاکستان کی تقریبات خاموشی سے منائی گئیں۔ پلٹن میدان میں ایک جلسہ عام ہوا جس سے مولوی فرید احمد اور دوسرے رہنماؤں نے خطاب کیا۔

۳ ستمبر : جنرل ٹکا خان کی جگہ سابق مرکزی وزیر ڈاکٹر عبدالمطلب مالک کو مشرقی پاکستان کا گورنر اور مشرقی کمان کے سربراہ جنرل امیر عبداللہ خان نیازی کو زون بی کا مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا گیا۔ گورنر عبدالمطلب مالک نے اپنی کابینہ بنائی جس میں اسمبلیوں کے منتخب و غیر منتخب نمایاں لیڈروں کو شامل کیا گیا۔ گورنر نے کابینہ کی حلف برداری کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ضمنی انتخابات غیر جانبدارانہ ہوں گے۔

۱۸ ستمبر : میمن سنگھ کے نزدیک تخریب کاروں نے ایک ریلوے پل عین اس وقت تباہ کر دیا جب اس پر سے شمالی بنگال جانے والی گرین ایرو ایکسپریس گزر رہی تھی۔ اس دھماکے سے ٹرین کی چھ بوگیاں تباہ ہو گئیں۔ ریلوے حکام کے مطابق اس حادثے میں ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تعداد اڑھائی سو اور تین سو کے درمیان تھی۔

۲ اکتوبر : تحریک استقلال کے سربراہ ایئر مارشل اصغر خان نے ڈھاکا میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی فوراً ختم کی جائے اور سیاسی مفاہمت کے لئے عوام کے منتخب نمائندوں سے خواہ وہ کہیں بھی ہوں' مذاکرات کئے جائیں۔ انہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ نااہل قرار دیئے جانے والے عوامی لیگی ارکان اسمبلی کی رکنیت بحال کی جائے اور مشرقی پاکستان میں گزشتہ سات آٹھ ماہ کے دوران پیش آنے والے واقعات کی تحقیقات کے لئے سپریم کورٹ کے ججوں پر مشتمل ایک بااختیار کمیشن مقرر کیا جائے۔

۳ اکتوبر : تحریک استقلال کے سربراہ کی مصروفیات کے بارے میں خبروں اور ان کے بیانات کی اشاعت پر مشرقی پاکستان میں کسی اعلان کے بغیر پابندی لگا دی گئی۔ تحریک استقلال کے سربراہ نے ضمنی انتخابات کو فراڈ قرار دیتے ہوئے اس کے بائیکاٹ کا اعلان کیا۔

۷ اکتوبر : مشرقی پاکستان کے ایک سابق گورنر عبدالمنعم خان کو ان کی رہائش گاہ میں دو نوجوانوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

۸ اکتوبر : جمعیت العلمائے پاکستان' جمعیت

العلمائے اسلام اور قیوم مسلم لیگ کے قاضی عبدالقادر گروپ نے ضمنی انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان کیا۔ نیشنل عوامی پارٹی کے دونوں گروپ ویسے بھی بالکل خاموش تھے۔

۹ اکتوبر : "عجیب نگر" ریڈیو نے عبوری حکومت کے وزیر اعظم تاج الدین احمد کا یہ اعلان بار بار دہرایا

**"یحییٰ خان کی جگہ کسی اور نے اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرنے کا اعلان کیا"**

کہ اگر ایک سابق گورنر جنرل اعظم خان کو مکمل اختیارات کے ساتھ مشرقی پاکستان کا گورنر مقرر کر دیا جائے تو عبوری حکومت ان سے مذاکرات کے لئے تیار ہے۔ تاج الدین نے نام نہاد ضمنی انتخابات کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ ان انتخابات کی کوئی اہمیت نہیں اور جو لوگ اس میں حصہ لیں گے وہ اپنے سیاسی مستقبل کو خود اپنے ہاتھوں سے تباہ کریں گے۔

ضمنی انتخابات کے لئے دائیں بازو کی جماعتوں کا متحدہ دینی محاذ قائم کر دیا گیا جس کا سربراہ جناب نور الامین کو مقرر کیا گیا۔ جناب نور الامین کو یہ اختیار بھی دیا گیا کہ وہ محاذ میں شامل جماعتوں کا کوٹا مقرر کریں اور ان کے امیدواروں کو نامزد کریں۔

۱۰ اکتوبر : جناب محمود علی قصوری کی قیادت میں پاکستان پیپلز پارٹی کا ایک وفد ضمنی انتخابات میں پارٹی کے امیدواروں کے لئے ڈھاکا پہنچا۔

۱۱ اکتوبر : اکثر امیدواروں کی بلا مقابلہ کامیابی کا اعلان کر دیا گیا جن میں جماعت اسلامی، مسلم لیگ اور پی ڈی پی کے امیدواروں کی تعداد نسبتاً زیادہ تھی۔

۱۷ اکتوبر : پیپلز پارٹی کے سیکرٹری اطلاعات جناب کوثر نیازی نے ڈھاکے میں اعلان کیا کہ قومی اسمبلی کے لئے پی پی کے پاس پچاس سے زائد امیدواروں کی درخواستیں موصول ہو چکی ہیں، وہ پارٹی کے سربراہ سے صلاح مشورہ کرنے کے لئے راولپنڈی جا رہے ہیں۔ وہاں سے ایک دو دن تک واپس آ کر امیدواروں کی نامزدگی کا اعلان کریں گے۔

۲۱ اکتوبر : پی پی کے سیکرٹری اطلاعات نے قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کی "خالی" نشستوں کے لئے اپنے امیدوار نامزد کر دیئے۔

۲۸ اکتوبر : ضمنی انتخابات کے حتمی نتائج کا اعلان کر دیا گیا۔

۱۰ نومبر : پاکستانی فوج نے ضلع نواکھالی میں بلونیا پر بھارت کے ایک بڑے حملے کو پسپا کر دیا۔ حملہ آور فوج کی قوت ایک بریگیڈ کے برابر تھی اور اسے ٹینکوں اور توپوں کی بھرپور امداد حاصل تھی۔ ۱۱ اور پھر ۱۲ نومبر کو دیناج پور کے ایک سرحدی قصبے پر بھی اتنے ہی بڑے حملے کو پسپا کر دیا گیا۔

۱۳ نومبر : حکومت پاکستان نے مشرقی پاکستان کی سرحد پر بھارتی فوج کے زبردست اجتماع اور وسیع پیمانے پر اس کی نقل و حرکت کی طرف اقوام متحدہ کی توجہ دلائی۔ اسی دن حکومت پاکستان نے بھارتی حکومت کو ایک احتجاجی مراسلہ بھیجا جس میں کہا گیا تھا کہ ۲۵ اکتوبر اور ۱۱ نومبر کے درمیان بھارتی افواج نے پاکستانی سرحدوں کی ۳۱ بار خلاف ورزی کی ہے۔

۲۱ نومبر : بھارت کی ایک ٹینک رجمنٹ اور دو انفنٹری بریگیڈ نے جیسور کے شمال مغرب میں مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیا جسے پاک فوج نے کامیابی سے پسپا کر دیا۔ سلہٹ اور کومیلا کے سرحدی علاقوں پر بھی بھارتی حملے پسپا کر دیئے گئے۔

۲۲ نومبر : بھارت نے اعلان کئے بغیر مشرقی پاکستان پر وسیع پیمانے پر حملہ کر دیا۔ بھارتی فضائیہ نے بھی جیسور کے محاذ پر اپنی فوج کی بھرپور مدد کی۔ اس جنگ میں بھارتی فوج کے اٹھارہ ٹینک تباہ اور ایک سو بیس بھارتی فوجی ہلاک کر دیئے گئے۔ کومیلا سیکٹر میں ایک بھارتی بٹالین کا صفایا کر دیا گیا۔ جیسور کی فضاؤں میں پاک فضائیہ کے طیاروں نے دو بھارتی نٹ طیارے مار گرائے، ایک سو ستانوے بھارتی فوجی مارے گئے۔ اسی دن صدر نے ملک میں ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا، اقوام متحدہ کو بھی اس صورت حال سے آگاہ کر دیا گیا۔

اسی دن ڈھاکا میں خواجہ سید خیر الدین کی قیادت میں بھارتی حملے کی مذمت کے لئے ایک بہت بڑا جلوس نکالا گیا، مارچ کے فوجی ایکشن کے بعد بلاشبہ یہ سب سے بڑا جلوس تھا۔

۲۴ نومبر : ضلع دیناج پور میں بھارتی فوج نے ہلی کے علاقے میں ایک نیا محاذ جنگ کھول دیا۔ ایک دن کی خونریز جنگ میں چھ سو ستر بھارتی فوجی مارے گئے پیپلز پارٹی کے سربراہ نے گجرات کے ایک جلسہ عام میں کہا کہ صرف عوام کے منتخب نمائندوں کی حکومت ہی ملک کو موجودہ بحران سے نجات دلا سکتی ہے۔

۲۵ نومبر : سلہٹ، چٹا گانگ، بنیا پول، ہلی اور جیسور سیکٹر میں بھارت کے پانچ حملوں کو روک دیا گیا، ڈھاکا، چٹا گانگ اور سلہٹ میں بھارتی حملے کے خلاف کئی جلوس نکالے گئے۔

۲۶ نومبر : ہلی کے محاذ پر ایک اور بھارتی حملہ پسپا کر دیا گیا۔ پاکستانی فوج نے نواپاڑا کی بیرونی چوکی پر دوبارہ قبضہ کر لیا جس پر ۲۲ نومبر کو بھارت نے اچانک حملہ کر کے قبضہ کر لیا تھا۔

۲۷ نومبر : راولپنڈی میں اعلان کیا گیا کہ ایک ہفتہ کی جنگ میں ایک ہزار بھارتی فوجی مارے گئے جبکہ پاک فوج کے تیس جوان شہید اور ایک زخمی ہوئے۔ جیسور، نواکھالی اور کومیلا کی سرحدوں پر پانچ بھارتی حملے پسپا کر دیئے گئے۔ اس دن یہ اعلان بھی کیا گیا کہ بھارتی فوج جدید ترین روسی اسلحے سے لیس ہو کر لڑ رہی ہے۔

۲۸ نومبر : بھارتی فوج کے تین حملے روک دیئے گئے۔ اسی دن ترکی، اردن، چین اور دوسرے دوست ممالک نے پاکستان کو اپنی مکمل حمایت کا یقین دلایا۔

۲۹ نومبر : بھارتی فوج نے ایک سو تیس ملی میٹر کی روسی ساخت کی توپ سے جیسور پر زبردست گولہ باری کی۔ پاک فوج نے اس حملے کا پوری قوت سے جواب دیا۔ اس جنگ میں چار سو بھارتی فوجی مارے گئے۔

۳۰ نومبر : کمال پور کے محاذ پر بھارت کے ایک زبردست حملے کو پاکستان کی فوج نے پسپا کر دیا۔ اس محاذ پر پاک فوج کے بیالیس جوانوں نے ساڑھے چار سو بھارتی فوجی ہلاک کر دیئے اور ان کا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔

متحدہ مخلوط پارٹی کے سربراہ جناب نور الامین اور پی پی کے سربراہ نے صدر یحییٰ خان سے ملاقات کی۔

۳ دسمبر : بھارتی نے مغربی حصے پر بھی حملہ کر دیا۔ پاک فضائیہ نے آگرہ سمیت بھارت کے سات ہوائی اڈوں کو تباہ کر دیا۔ قبل ازیں بھارت نے سرحدوں پر تین انفنٹری ڈویژنوں کی کمک پہنچا دی۔ صدر نے قوم کے نام پیغام میں تلقین کی کہ اب جنگ شروع ہو چکی ہے اور قوم کو اپنی عزت اور وقار کی بحالی کے لئے نبرد آزما ہو جانا چاہئے۔

۴ دسمبر : بھارتی فضائیہ نے علی الصبح ڈھاکا کے نواحی علاقوں اور ہوائی اڈے پر زبردست بمباری کی لیکن اس سے کوئی خاص نقصان نہیں ہوا۔ اسی دن شام کو ڈھاکا کی فضاؤں میں ایک تاریخی معرکہ دیکھنے میں آیا جس نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں لاہور کے فضائی

معرکے کی یاد تازہ کر دی۔ اس دن پاک فوج کے توپچیوں اور طیاروں نے ڈھاکا کی فضاؤں میں چودہ بھارتی طیاروں کو مار گرایا جن میں تین مگ طیارے بھی شامل تھے۔

۵ دسمبر: پاک فوج نے چھمب سیکٹر میں دیوا' پکا' قیصر ہند اور موضع دھرم پر قبضہ کر لیا' پاک فضائیہ نے مختلف جھڑپوں میں انچاس بھارتی طیارے مار گرائے۔

۶ دسمبر: کھیم کرن کی بیرونی چوکی' برکی سیکٹر میں بیس بھارتی چوکیوں پر قبضہ کرنے کے علاوہ چھمب سیکٹر میں پاک فوج کی پیش قدمی جاری رہی۔ اس دن تک ۷۴ بھارتی طیارے مار گرائے گئے۔ ڈھاکا کے ہوائی اڈے پر بھارتی طیاروں نے زبردست بمباری کی جس سے رن وے تباہ ہو گیا اور پاک فوج فضائیہ کی امداد سے مکمل طور پر محروم ہو گئی۔

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے دس مستقل ارکان میں سے نو نے ایک قرارداد کا مسودہ تیار کیا جس میں برصغیر میں فوری طور پر جنگ بند کرنے کے لئے کہا گیا اور پاکستان اور بھارت سے کہا گیا تھا کہ وہ اپنی اپنی افواج کو اپنی حدود میں واپس بلا لیں۔ روس نے اس قرارداد کو ویٹو کر دیا۔

بھارت نے بنگلہ دیش کی حکومت کو تسلیم کرنے کا اعلان کر دیا۔ پاکستان نے بھارت سے اپنے سفارتی تعلقات منقطع کر لئے۔

۷ دسمبر: پاک فوج نے چھمب کو آزاد کرا لیا جبکہ پاکستان میں بھارتی فوج نے کئی کامیابیاں حاصل کیں۔

۸ دسمبر: اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ارجنٹائن کی ایک قرارداد منظور کر لی جس میں پاکستان اور بھارت کو فوری طور پر جنگ بند کرنے اور اپنی اپنی فوجوں کو اپنی حدود میں واپس لے جانے کے لئے کہا گیا تھا۔ اس قرارداد کے حق میں ایک سو چار ووٹ ڈالے گئے جو ایک ریکارڈ تھا۔

پاکستان کے نامزد نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ نیویارک روانہ ہو گئے تاکہ اقوام متحدہ میں جنگ کے مسئلے پر بحث کے دوران وہ پاکستان کی نمائندگی کر سکیں۔

اس دن مغربی محاذ پر پاک فوج نے اپنا دباؤ برقرار رکھا اور مشرقی محاذ پر دشمن کے خلاف مزاحمت جاری رہی۔

۹ دسمبر: مشرقی پاکستان میں برہمن ماڑیہ اور کشتیا میں بھاری فوج کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ اس جنگ میں بھارت کی تین بٹالینوں کا صفایا کر دیا گیا۔ روسی ساخت کے ۷۶ ٹینک تباہ کر دیئے گئے اور متعدد بھارتی فوجیوں کو جنگی قیدی بنا لیا گیا۔

چینی وزیر اعظم چو این لائی نے پاکستان کی مکمل حمایت کا اعلان کرتے ہوئے امید ظاہر کی کہ جارحیت کو جلد شکست ہو گی۔ نامزد وزیر اعظم جناب نور الامین نے ریڈیو پاکستان سے اپنی نشری تقریر میں قوم سے اپیل کی کہ وہ مسلح فوج کے شانہ بشانہ جنگ لڑے تاکہ دشمن کو عبرت ناک شکست دی جا سکے۔

۱۰ دسمبر: بھارتی حکومت نے اعلان کیا کہ وہ جنرل اسمبلی کی قرارداد کو نہ مسترد کرتی ہے اور نہ قبول کرتی ہے۔ یہ اعلان بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے کیا۔ اسی دن بھارتی وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ نیویارک روانہ ہو گئے۔

۱۲ دسمبر: صدر نکسن نے بھارت سے کہا کہ وہ پاکستان کے خلاف مسلح کارروائی فوراً روک دے۔ انہوں نے برصغیر کی سنگین صورتحال پر غور کے لئے سلامتی کونسل کا اجلاس طلب کرنے کا مطالبہ کیا۔

اسی دن اعلان کیا گیا کہ امریکہ کا طیارہ بردار جہاز "انٹرپرائز" خلیج بنگال کی طرف روانہ ہو گیا۔

تمام محاذوں پر شدید جنگ جاری رہی۔ پاکستانی بحریہ نے ایک گن بوٹ تباہ کر دیا اور ایک پر قبضہ کر لیا۔ مشرقی محاذ پر دو ہزار دو سو چودہ اور مغربی محاذ پر ایک ہزار چھیانوے بھارتی فوجی اب تک کی جنگ میں مارے گئے۔

۱۳ دسمبر: پاکستان کے وزیر خارجہ نے سلامتی کونسل سے اپیل کی کہ پاکستان کی سالمیت کے تحفظ کے لئے جنرل اسمبلی کی قرارداد کا احترام کیا جائے۔ روس نے امریکی قرارداد کو ایک بار پھر ویٹو کر دیا۔ اس نے ایک اور امریکی قرارداد کو بھی ویٹو کر دیا جس کی گیارہ ارکان نے حمایت کی تھی' دو نے مخالفت کی اور دو غیر حاضر رہے۔

ڈھاکا کی طرف بھارتی فوج کی پیش قدمی روک دی گئی لیکن دشمن اپنی چھاتہ بردار فوج متعدد مقامات پر اتارنے میں کامیاب ہو گیا۔

۱۴ دسمبر: ڈھاکا میں گورنر ہاؤس پر بمباری کے بعد گورنر عبدالمطلب مالک ان کی کابینہ کے ارکان اور اعلیٰ افسروں نے اپنے اپنے عہدوں سے استعفاء دے کر انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں پناہ حاصل کر لی جسے بین الاقوامی ریڈ کراس نے جائے پناہ قرار دیا تھا۔

۱۵ دسمبر: پاکستان کے وزیر خارجہ بھٹو نے پولینڈ کی قرارداد پھاڑ دی جس میں فوری جنگ بندی اور سیاسی مفاہمت پر زور دیا گیا تھا' بھٹو نے اعلان کیا کہ وہ وطن واپس جا کر ملکی دفاع کے لئے عوام کے شانہ بشانہ جنگ میں حصہ لیں گے۔

۱۶ دسمبر: پاک فوج نے ریس کورس گراؤنڈ میں بھارتی فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس طرح مشرقی پاکستان پر بھارتی فوج کا قبضہ مکمل ہو گیا۔ اس دن یحییٰ خان نے اعلان کیا کہ مشرقی محاذ پر شکست کے باوجود جنگ جاری رہے گی۔

☆☆☆☆☆

## بنگلہ دیش کی آفرینش

۲۳ مارچ ۷۱ء کو شیخ مجیب الرحمن کی ہدایت پر مشرقی پاکستان میں یوم مزاحمت منایا گیا۔ شیخ مجیب الرحمن کی رہائش گاہ پر بنگلہ دیش کا جھنڈا لہرایا گیا۔ مظاہرین نے قرار داد لاہور کی اکیسویں سالگرہ پر پاکستان کے جھنڈے کے بے حرمتی کی اور سیکرٹریٹ سمیت تمام عمارتوں پر بنگلہ دیش کے نئے جھنڈے کو لہرا کر منائی۔ مجیب الرحمن نے بنگلہ دیشی جھنڈے کے سائے میں کھڑے ہو کر سلامی لی۔ جھنڈے پر جلی حروف میں یہ عبارت تحریر تھی "آج دنیا کے نقشے پر ایک نیا ملک ابھرا ہے"..... روزنامہ "پیٹریاٹ" نے ۲۳ مارچ کے شمارے میں صفحہ اول پر بنگلہ دیش کا نقشہ شائع کیا جس کے نیچے یہ عبارت درج تھی "آج دنیا کی مختلف ریاستوں اور قوموں کی ترجمانی کرنے والے پرچموں کی فہرست میں ایک پرچم کا اضافہ ہو گیا ہے یہ آزاد بنگلہ دیش کا پرچم ہے۔ ۲۴ مارچ کو اخبار نے پرچم کشائی کی تقریب کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا "ایک نئی قوم کی تخلیق عمل میں آ چکی ہے۔ تمام عمارتوں پر ایک نیا پرچم لہرا رہا ہے۔ آزادی بنگلہ دیش کی سرزمین کا مقدر بن چکی ہے مگر دوسری طرف کچھ لوگ اب بھی مشرقی پاکستان کو متحدہ پاکستان کا حصہ سمجھ رہے تھے۔ (اقتباس از "پاکستان کیوں ٹوٹا" (صفحہ ۱۴۲) مصنف: ڈاکٹر صفدر محمود)

## کیا جنرل اروڑہ اور مانک شا سے "مذاکرات" ضروری تھے؟

## شیخ مجیب حکومت پاکستان کی تحویل میں تھے حکمرانوں نے ان سے مذاکرات کیوں نہیں کئے؟

## کیا یہ بات سچ ہے کہ مشرقی پاکستان میں پاک فوج سے سرنڈر کرانے کا فیصلہ امریکی سفیر، بھٹو اور اندرا گاندھی کے درمیان ملی بھگت کا نتیجہ تھا؟

## جنرل یعقوب علی خان کے بار بار اصرار کے باوجود اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت کے لئے کیوں ملتوی کیا گیا جبکہ شیخ مجیب کا یہ اصرار تھا کہ اسمبلی کے اجلاس کی کوئی نہ کوئی تاریخ مقرر کر دی جائے؟

# ۳۰ سوالات

## جن کے جواب قارئین خود تلاش کریں!

سقوط مشرقی پاکستان کے متعلق یہ تیس سوالات بڑے اہم ہیں۔ اگرچہ ان سوالات کی تعداد ۱۳۵ کے لگ بھگ ہے لیکن ملک کے موجودہ حالات کے باعث صرف تیس سوالات دیئے جا رہے ہیں لیکن ان میں بھی واضح اشارے موجود ہیں۔ آپ ان سوالات کے جواب لکھ کر ہمیں ارسال کر دیجئے--- ہم انہیں اولین فرصت میں شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔

۱) مارشل لاء حکومت نے مغربی پاکستان کا یونٹ کیوں توڑا جبکہ یہ مسئلہ مستقبل کی منتخب حکومت کی صوابدید پر چھوڑا جا سکتا تھا؟

۲) ایل ایف او (لیگل فریم ورک آرڈر) نافذ کرنے کی بجائے ۱۹۵۶ء کا متفق علیہ آئین بحال کر کے اس کے تحت انتخابات کیوں نہیں کرائے گئے؟

۳) مارشل لاء انتظامیہ نے مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ اور مغربی پاکستان میں عوامی لیگ کو منظم کیوں نہ ہونے دیا؟

۴) انتخابی مہم ایک سال تک کیوں چلائی گئی؟

۵) شیخ مجیب الرحمٰن کو مغربی پاکستان کے صوبوں کا دورہ ادھورا چھوڑنے پر کیوں مجبور کیا گیا؟

۶) مولانا بھاشانی کو کھلم کھلا علیحدگی کا پرچار کرنے اور "آزاد مشرقی پاکستان" کی تحریک چلانے کے لئے مرکزی حکومت نے فنڈز کیوں فراہم کئے؟

۷) سرکاری اخبارات میں مولانا بھاشانی کی مجوزہ یونیورسٹی کے اشتہارات صفحہ اول پر مسلسل شائع کئے گئے ان کے بلوں کی ادائیگی مرکزی حکومت نے کس "فنڈ" سے کی؟

۸) "ایل ایف او" (لیگل فریم ورک آرڈر) کی واضح شرائط کے باوجود اسمبلی کا اجلاس فوری طور پر طلب کرنے کی بجائے "مفاہمت" کے لئے "مذاکرات" کا ڈرامہ کیوں رچایا گیا؟

۹) عوامی لیگ کو اسمبلی میں بھرپور اکثریت حاصل تھی اس کے باوجود ایک اقلیتی پارٹی کو اس پر ترجیح کیوں دی گئی؟

۱۰) عام انتخابات کے بعد ملک کے مغربی صوبوں میں ہڑتالوں اور مظاہروں کا سلسلہ کس نے اور کس کے اشارے پر شروع کیا تھا؟

۱۱) مشرقی پاکستان میں انٹیلی جنس کے ایک اعلیٰ افسر "مہاجر صوبہ" بنانے کی تحریک چلانے کے لئے بعض سیاستدانوں میں کس کے اشارے پر اور کس "فنڈ" سے بھاری رقومات تقسیم کر رہے تھے؟

"جنرل یعقوب علی خان کے بار بار اصرار کے باوجود اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت کے لئے کیوں ملتوی کیا گیا جبکہ شیخ مجیب کا یہ اصرار تھا کہ اسمبلی کے اجلاس کی کوئی نہ کوئی تاریخ مقرر کر دی جائے؟"

۱۲) جماعت اسلامی کو یہ "یقین" کس نے دلایا تھا کہ وہ مشرقی پاکستان سے اسی فیصد نشستیں حاصل کر لے گی؟

۱۳) مشرقی پاکستان کو "آزاد" کرنے کے لئے نکسل باڑیوں کو کون "اکسا" رہا تھا اور ان

کے خلاف "احتیاطی اقدامات" کیوں نہ کئے گئے؟

۱۴) ۱۹۴۹ء میں مشرقی بنگال مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے قرارداد منظور کی تھی جس میں دفاع اور امور خارجہ کے علاوہ ہر شعبے میں مکمل خود مختاری کا مطالبہ کیا تھا؟ اس کے بارے میں ہمارے دانشوروں کا کیا خیال ہے؟

۱۵) ۱۹۵۶ء کا آئین جو متفق علیہ تھا اسے کیوں منسوخ کیا گیا؟

۱۶) "ایبڈو" کا نام نہاد "قانون" کیا صرف مشرقی پاکستان کے ان رہنماؤں کو بے اثر بنانے اور سیاست سے بے دخل کرنے کے لئے بنایا گیا تھا جن کا تعلق تحریک پاکستان سے تھا؟

۱۷) کیا ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد ایوب خان نے کوئی کمیٹی بنائی تھی جسے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے امکانات کا جائزہ لینے کے لئے کہا گیا تھا؟

**"شیخ مجیب حکومت پاکستان کی تحویل میں تھے؟ حکمرانوں نے ان سے مذاکرات کیوں نہیں کئے؟"**

۱۸) انتخابات ۱۹۷۰ء کے نتائج موصول ہوتے ہی وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں مصنوعی بحران پیدا کرنے کا منصوبہ کس نے بنایا --- جنرل اکبر (ملٹری انٹیلی جنس) نے یا ایم ایم احمد نے؟

۱۹) عوامی لیگ کی پارلیمانی پارٹی نے یحییٰ خان کو فوجی ملازمت سے ریٹائر ہونے کی صورت میں آئندہ پانچ سال کے لئے صدر منتخب کرنے کی قرارداد اسمبلی کے مجوزہ اجلاس میں پیش کرنے کے لئے تیار کر لی تھی، کیا یحییٰ خان کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی؟ (فوجی ملازمت سے ریٹائر ہونے کی)

۲۰) مجیب، بھٹو مذاکرات کے دوران کیا بھٹو نے مجیب سے کہا تھا --- "آؤ ہم دونوں مل کر یحییٰ خان کو بوڑھی گنگا میں غرق کر دیں؟"

۲۱) یکم مارچ کو اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرنے کا اعلان یحییٰ خان نے براہ راست خود کیوں نہیں کیا؟

۲۲) ۴ / مارچ کو پنجاب عوامی لیگ کے صدر اور ایک سابق سیکرٹری دفاع مسٹر ایم خورشید کے ذریعہ یحییٰ خان نے شیخ مجیب الرحمن کو کیا پیغام بھیجا تھا؟

۲۳) گورنر ایڈمرل ایس ایم احسن اور کور کمانڈر جنرل یعقوب علی خان کے بار بار اصرار کے باوجود اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت کے لئے کیوں ملتوی کیا گیا جبکہ شیخ مجیب کا یہ اصرار تھا کہ اسمبلی کے اجلاس کی کوئی نہ کوئی تاریخ مقرر کر دی جائے؟

۲۴) کہا جاتا ہے کہ ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو عوامی لیگ کی مجلس عاملہ اور پارلیمانی پارٹی نے فیصلہ کیا تھا کہ شیخ مجیب الرحمن اور ڈاکٹر کمال حسین خود کو گرفتاری کے لئے پیش کریں تاکہ حکومت پاکستان جب بھی مذاکرات کی ضرورت محسوس کرے ان سے مذاکرات کر سکے؟ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب "بغاوت" کے مرکزی کردار حکومت پاکستان کی تحویل میں تھے تو حکومت نے ان سے مذاکرات کیوں نہ کئے؟

۲۵) کیا شیخ مجیب اور ڈاکٹر کمال کی بجائے جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ اور جنرل مانک شا سے "مذاکرات" زیادہ ضروری تھے؟

۲۶) سلامتی کونسل میں بھارت کی جارحیت کے خلاف قرارداد پیش کرنے سے وفد کے قائد محمود علی اور اقوام متحدہ میں پاکستانی مندوب آغا شاہی کو کیوں روک دیا گیا تھا؟

**"کیا یہ بات سچ ہے کہ مشرقی پاکستان میں پاک فوج سے سرنڈر کرانے کا فیصلہ امریکی سفیر، بھٹو اور اندرا گاندھی کے درمیان ملی بھگت کا نتیجہ تھا؟"**

۲۷) کیا یہ بات درست ہے کہ بھٹو نے کہا تھا میں ایک لات عوامی لیگ کو اور دوسری لات جنرلوں کو مار کر انہیں بے بس کر دوں گا؟

۲۸) اس بات میں کہاں تک صداقت ہے کہ مشرقی پاکستان میں پاک فوج کو سرنڈر کرانے کا فیصلہ امریکی سفیر جوزف نارلینڈ، بھٹو اور اندرا گاندھی کے درمیان طے شدہ فارمولے کے مطابق کیا گیا تھا؟

۲۹) بھٹو کے اس جھوٹے دعوے کی بروقت تردید کیوں نہ کی گئی کہ چین نے جنگ کی صورت میں پاکستان کے دوش بدوش لڑنے کا وعدہ کیا ہے حالانکہ چین کے لیڈروں نے یہی مشورہ دیا تھا کہ وہ بات چیت کے ذریعے یہ مسئلہ حل کریں؟

۳۰) کیا سرنڈر کرنے کا فیصلہ اس لئے کیا گیا تھا تاکہ مذاکرات کی صورت میں علیحدگی پر مشرقی پاکستان کو اثاثوں میں سے اس کا حصہ دینا پڑتا؟

## حمود الرحمن کمیشن رپورٹ اور جنرل مرزا اسلم بیگ

اس سوال کے جواب میں کہ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ یہ رپورٹ عام کر دی جائے، آخر اس رپورٹ میں ایسی کیا بات ہے جسے چھپانے کی کوشش کی جا رہی ہے؟ مرزا اسلم بیگ نے کہا:

"میں نے اس رپورٹ کا خود مطالعہ کیا ہے، اس رپورٹ میں ہماری سیاسی، عسکری اور سفارتی خامیوں کی صحیح نشاندہی کی گئی ہے، یہ ضروری ہے کہ اس رپورٹ کو شائع کر دیا جائے تاکہ ہم اپنی غلطیوں سے سبق سیکھیں اور اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو دور کر سکیں۔ اس وقت میرے لئے اس رپورٹ کی تفصیلات بتانا مناسب نہیں۔ یہ ذمہ داری حکومت پاکستان کی ہے کہ وہ اس رپورٹ کو شائع کرنے کا اہتمام کرے۔ اس رپورٹ کی اشاعت سے کسی خرابی کا امکان نہیں اور ۲۵ سال گزرنے کے بعد تو اب اس سے نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہوگا۔"

(مرزا اسلم بیگ کے ایک انٹرویو سے ماخوذ)

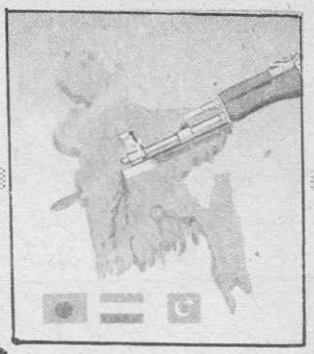

# سقوط مشرقی پاکستان ۔ اسباب واثرات

## جسارت فورم لاہور کے مذاکرے میں پیش کردہ افکار کا خلاصہ

جسارت فورم لاہور نے ۳ دسمبر ۹۵ء کو سقوط مشرقی پاکستان کے موضوع پر ایک مجلس مذاکرہ کا اہتمام کیا تھا جس میں ملک کی مختلف اہم شخصیات نے شرکت کی تھی۔ مذاکرے کے میزبان ممتاز صحافی عطاء الرحمٰن تھے۔ اس مذاکرے میں دیگر اہل علم و دانش کے علاوہ بزرگ صحافی جناب عبدالکریم عابد نے بھی اظہار خیال فرمایا تھا تاہم ان کے افکار چونکہ علیحدہ مضمون کی صورت میں زیر نظر شمارے میں شامل ہیں لہٰذا ذیل کے مضمون میں ان کے پیش کردہ افکار کو شامل نہیں کیا گیا۔ اس مذاکرے کی مفصل رپورٹ جسارت کے فرائیڈے اسپیشل کی ۱۵/دسمبر ۱۹۹۵ء کی اشاعت میں شائع ہوئی تھی۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے اس رپورٹ کی تلخیص پیش کی جارہی ہے۔ (ادارہ)

### ڈاکٹر صفدر محمود

ایڈمنسٹریٹو سٹاف کالج کے پرنسپل' ڈاکٹر صفدر محمود نے سقوط مشرقی پاکستان کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ سب سے بڑا سانحہ یہ ہوا ہے کہ قوم کی نفسیات بدل گئی ہے۔ شاہی قلعہ پر جھنڈا لہرانے کی بات کرنے والے عوام اب پوچھتے نظر آتے ہیں کہ "کیا یہ ملک قائم رہ سکے گا؟" انہوں نے کہا کہ پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ قیادت کا بحران ہے۔ سنگاپور' ملائیشیا' کوریا' انڈونیشیا' چین اور جاپان کے حالات ہم سے بدتر تھے مگر ان کو ایسی قیادت میسر آگئی جس نے ان کا مقدر بدل کر رکھ دیا۔ قوم کو متحد رکھنے میں "خوشحالی" اہم عنصر ہے لیکن سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کو ایمانداری کی مثالیں قائم کرنا ہیں اگر وہی کرپٹ ہوں تو خوشحالی کیسے آئے گی؟ انہوں نے مزید کہا کہ موجودہ صورت حال سے ایک ہی سبق ملتا ہے کہ ہم نے تاریخ سے کچھ نہیں سیکھا۔

> پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ قیادت کا بحران ہے ○ ڈاکٹر صفدر محمود

### ایس ایم ظفر

ممتاز قانون دان اور سابق وزیر قانون ایس ایم ظفر نے کہا کہ سقوط مشرقی پاکستان کا وقتاً فوقتاً تجزیہ اور ذکر کرتے رہنا چاہئے تاکہ احساس زیاں تازہ رہے۔ پاکستان اب پھر بحرانوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ ماضی کے تجربات کے صحیح تجزیے سے ہمیں صحیح فیصلے کرنے میں مدد ملے گی۔ انہوں نے کہا کہ آج تک یہ سراغ نہیں مل سکا کہ یحییٰ خان کا "لیگل فریم ورک آرڈر" کس کے ذہن کی اختراع تھی' یہ بھی ایک المیہ ہے کہ ہمارے یہاں بڑے بڑے واقعات کے محرکات کا علم ہی نہیں ہو پاتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ

> "ہم نے کہا تھا کہ مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان سے کریں گے اور دہلی تک پہنچیں گے۔ لیکن دفاعی امور میں جھوٹ کام نہیں آتا" ○ ایس ایم ظفر

ہم نے کہا تھا کہ مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان سے کریں گے اور دہلی تک پہنچیں گے۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ دفاعی امور میں جھوٹ بول کر اعتماد قائم نہیں کرنا چاہئے ورنہ یہ بلبلہ کسی وقت بھی پھٹ سکتا ہے چنانچہ ہمارے دفاع کا یہ بلبلہ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے خاتمے پر پھٹا جب اسمبلی میں وزیر دفاع نے کہا مشرقی پاکستان کے لوگوں کا یہ حق بن گیا کہ وہ سوچیں کہ اگر مغربی پاکستان دفاع کے لئے کام نہ آئے گا تو صرف ایسی ڈپلومیسی کے سہارے جو قطعی غیر یقینی ہے ہم خود مختار ریاست کی حیثیت سے زندہ نہیں رہ سکتے۔

فوج کے متعلق بھی دو باتیں عرض کرنا چاہوں گا مجھے یقین ہے کہ ہمارے فوجی اچھے فوجی ہیں جو شہادت کا جام بخوشی نوش کرتے ہیں لیکن کیا صرف لڑنا ہی دفاع ہے یا یہ کسی منصوبہ بندی کا بھی نام ہے؟ میں عرض کروں گا کہ فوجی قیادت دفاعی منصوبہ بندی میں بری طرح ناکام رہی۔ انہوں نے کہا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی ایک وجہ مغربی پاکستان کے عوام بھی ہیں کیونکہ قومی معاملات میں عوام کو ردعمل دکھانا ہوتا ہے مشرقی پاکستان کے لوگوں کے جو حقوق تھے ان کی نفی پر مغربی پاکستان کے لوگوں کا ردعمل کیا تھا؟ ایک دو کے سوا کب آواز اٹھی کہ مغربی پاکستان کے لوگ اپنے مشرقی بھائیوں کے حقوق کی نفی اور ان کے حقوق کو غصب کرنے والوں کے خلاف ہیں بلکہ اخبارات کھنگالیں تو معلوم ہوگا کہ کس نے "ادھر ہم ادھر تم" کا نعرہ لگایا اور کہا کہ "خدا کا شکر ہے پاکستان بچا لیا گیا" کئی نے تو فوجیوں کی غیر انسانی حرکتوں کو بھی جائز قرار دیا۔ جہاں تک اس رائے کا تعلق ہے کہ علیحدگی کے بیج ایوب دور میں بو دیئے گئے تھے جو صدارتی نظام وہ لائے تھے اس میں چیک اینڈ بیلنسز کا کوئی اہتمام نہ تھا جس کی وجہ سے ایک شخص کے پاس ساری قوت اور اختیارات آجاتے ہیں اس سے مشرقی پاکستان میں اعلیٰ سطحی حقوق سے محرومی کا احساس پیدا ہوا۔

### جنرل راؤ فرمان علی خان

جنرل راؤ فرمان علی نے کہا کہ میں مارشل لاء

لگنے کے بعد گورنر ہاؤس میں سول افیرز کا انچارج تھا تاکہ مارشل لاء ریگولیشنز کے مطابق حکومت چلتی رہے میری ملٹری ذمہ داری یہ تھی کہ صدر کو اطلاع دیتا رہوں کہ حالات کس نہج پر جا رہے ہیں۔ یہ غلط فہمی ہے کہ میں جنرل نیازی کا نمبر دو تھا۔ اسی غلط فہمی کے باعث جنگ کے آخری دنوں میں "جنرل فرمان کے نام پیغام" کا اشتہار بھی فضا سے پھینکا گیا حالانکہ فوجی امور سے میرا کوئی تعلق نہ تھا۔ جنرل نیازی ایک آدھ دن نظر نہ آئے تو بی بی سی نے دس گیارہ دسمبر کو یہ خبر نشر کر دی کہ وہ مغربی پاکستان چلے گئے ہیں اور جنرل فرمان نے چارج سنبھال لیا ہے حالانکہ میں چھٹے نمبر پر تھا۔

> "میں نے تجویز دی تھی کہ اقتدار مجیب کو دے دیا جائے' وہ اسلام آباد پہنچ کر آمر بن جائے گا' جس سے مشرقی پاکستان میں پائی جانے والی نفرت سیاسی موت مر جائے گی" ○ جنرل فرمان علی

پاکستانی قومیت کی اصل بنیاد "اسلام" تھی مگر ہم ایک قوم نہ بن سکے کیونکہ یہ خیال مغرب اور مشرق میں حاوی ہو گیا کہ پاکستان اقتصادی آزادی اور ہندو کے معاشی غلبے سے نجات کے لئے بنایا گیا ہے دوسرے صوبائی و علاقائی نیشنلزم (Nationalism) کا عروج ہو گیا اور مشرقی پاکستان والے کہنے لگے کہ اسلام ہی ہمیں ملانے والی قوت ہے تو افغانستان کو اپنے ساتھ کیوں نہیں ملا لیتے۔ اس طرح ہم نے پاکستان کی اساس کو نقصان پہنچایا اب بھی "اسلام" کو نظرانداز کرنے کے نتیجے میں علاقائیت پھیلے گی۔

یہ افواہ یا الزام بھی ہے کہ چونکہ مشرقی پاکستان میں ایک بھی قادیانی نہ تھا اس لئے ان کا خیال تھا کہ ان کے مذہب کی ریاست اگر وجود میں آتی ہے تو اس میں مشرقی پاکستان رکاوٹ بن سکتا ہے اس لئے انہوں نے اس خیال کی تائید کی۔

مشرقی پاکستان میں تو بہت اچھے مسلمان تھے صرف چند لیڈر ٹائیں ٹائیں کر رہے تھے ورنہ عوام تو اب بھی پاکستان سے محبت کرتے ہیں۔ علیحدگی تو ان لوگوں کی بے ہودہ سوچ کا نتیجہ ہے جنہوں نے لڑائی مسلط کی اور جن کا یہ کہنا ہے کہ اگر میز پر علیحدہ ہوتے تو ہمیں یہ نقصان برداشت کرنا پڑتا اور رحمٰن سبحان کے مطالبہ کے مطابق ہمیں ۷۲ ہزار کروڑ روپے ادا کرنے پڑتے جو ہم نے اسلام آباد' نیوی' فضائیہ' واپڈا اور اسی طرح کی دوسری مدات پر خرچ کئے تھے۔ اس طرح گویا اس وقت کا حکمران ٹولہ خوش ہو گیا کہ ہم نے ۷۲ ہزار کروڑ روپے بچا لئے ہیں۔

دوسرا احساس یہ بھی ہے کہ اگر مذاکرات کے ذریعے علیحدگی ہوتی تو سارے بہاری آ جاتے جو یقیناً آ جاتے کیونکہ یہ ان کا ملک ہے تیسرے یہ ہوتا کہ فوج کا اثر قائم رہتا مگر فوج کو ایسا مارنا چاہا گیا کہ یہ سر نہ اٹھا سکے اور مکمل طور پر سول غلبہ ہو حالانکہ بعض اوقات جمہوری آمریت مارشل لاء سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ ہٹلر اور مسولینی جمہوری طریقوں ہی سے منتخب ہو کر آئے۔ یہ تین وجوہ تھیں جن کے باعث میز پر مشرقی پاکستان کے بحران کا حل تلاش نہ کیا جا سکا۔

میں اس بات کی تائید کرتا ہوں کہ ہم نے سانحہ مشرقی پاکستان سے کچھ سبق نہیں سیکھا بلکہ اس کے حقائق کو توڑ مروڑ کر اپنے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ مشرقی پاکستان کے بہت زیادہ فاصلے پر ہونے کی وجہ سے وہاں فوج موثر کردار ادا نہیں کر سکی۔ میں نے اس وقت تحریری طور پر تجویز بھیجی تھی کہ اقتدار مجیب کو دے دیا جائے وہ اسلام آباد پہنچ کر آمر بن جائے گا اور مشرقی پاکستان میں پائی جانے والی نفرت اس طرح سیاسی موت مر جائے گی مگر بدقسمتی سے میری بات مانی نہیں گئی۔

یہ درست ہے کہ ہندو سے زیادہ مضبوط اور بہادر ہونے کا تصور ہماری قومی نفسیات میں شامل ہے لیکن شیر بہت بہادر ہوتا ہے مگر جب اس کو گولی لگتی ہے تو اس کی بہادری ڈھیر ہو جاتی ہے۔ ریڈ انڈین امریکیوں کے مقابلے میں بہت بہادر تھے مگر ان کے پاس صرف تیر تھے جبکہ امریکیوں کے پاس رائفلیں تھیں یہ بحث اپنی جگہ کہ انسان سپیریئر ہے یا مشین۔ مشرقی پاکستان میں ہمارے پاس ایف ۸۶ طیارے تھے جو مغربی پاکستان میں مسترد کئے جا چکے تھے ان کا بھی صرف ایک اسکواڈرن وہاں بھیجا گیا جبکہ پورے مشرقی پاکستان میں ہمارے لئے کل ایک ایئر پورٹ تھا۔ ۲۶۰۰ میل کا طویل محاذ تھا اس کا مقابلہ پچھمب جوڑیاں سے کراچی تک کے پورے محاذ سے کریں تو ۳۰۰ میل ہے جس میں کم از کم بارہ ڈویژن انفنٹری' دو آرمڈ ڈویژن تھے ہر ایک کے پاس پانچ' پانچ رجمنٹیں تھیں۔ مشرقی پاکستان میں کہنے کو تو تین ڈویژن تھے مگر توپخانہ صرف ایک ڈویژن کے پاس تھا ٹینک موجود نہ تھے پہلے دن کے بعد ہوائی جہاز بھی بے کار ہو گئے تھے یہاں سے جو دو ڈویژن ہوائی جہازوں پر مشرقی پاکستان گئے تھے ان کے پاس صرف رائفلیں تھیں۔ اس سارے اسلحہ کو ۲۸۰۰ میل طویل محاذ پر تقسیم کریں۔ میرا تعلق لڑنے والی فوج سے نہ تھا صرف آرٹلری کے کمانڈر کی حیثیت سے پلاننگ کی تھی لیکن میرے نزدیک یہ کہنا قطعی غلط ہے کہ مشرقی پاکستان میں فوج کو شکست ہوئی ان حالات کو دیکھا جانا چاہئے جن میں یہ صورت حال رونما ہوئی' فوج کو ہمیشہ انگوٹھے کے نیچے رکھنے کے لئے یہ تک کہا گیا کہ فوجی جرنیلوں کے دماغوں میں بھوسہ بھرا ہوا ہے اس طرح جتنی بے عزتی ممکن تھی' کی گئی۔ بھارت کو بھی معلوم تھا کہ تمام ادارے کمزور کئے جا چکے ہیں صرف فوج کو کمزور کر دیا جائے اور یہ عوام کی نظروں میں کمتر ہو جائے تو سب ٹھیک ہو جائے گا فوج ختم تو ملک بھی ختم۔ یہ بھی کہا گیا کہ ۲۰۰ بنگالی دانشوروں کو قتل کیا گیا یہ نہیں پوچھا گیا کہ یہ لوگ کب اور کہاں مرے؟ کس نے مارے؟ کیسے مارے؟ تیس لاکھ بنگالی بھائیوں کو مارنے اور دو لاکھ خواتین کی آبروریزی کے الزامات بھی لگائے گئے۔ اس ضمن میں یہی کہنا چاہوں گا کہ ۵۴ ہزار لوگ تمام کے تمام قتل و آبروریزی میں لگ جائیں اور شب و روز یہی کام کرتے رہیں تو بھی یہ اعداد و شمار غلط ثابت ہوں گے پھر جب ہم سب جنگی قیدی بنے تو طبی معائنے کے بعد ہم سب کو مکمل طور پر فٹ قرار دیا گیا جس سے ان الزامات کے لغو ہونے کے بارے میں بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

> "مشرقی پاکستان میں قتل و غارت کا یہ عالم تھا کہ بعض ہالوں میں انسانی خون کی چار انچ موٹی تہہ جم چکی تھی اور دوسری طرف اسلام آباد میں شراب کے دور چل رہے تھے"

## پروفیسر غفور احمد

نائب امیر جماعت اسلامی پروفیسر غفور احمد کا کہنا تھا کہ مشرقی پاکستان میں مذہبی قدریں بہت گہری ہیں لیکن سیکولر نظام کی حامی یہ افسر شاہی ان کی اس بات کا مذاق اڑاتی تھی۔ انگریز اپنے دور حکومت میں اپنے افسروں کو مقامی زبانیں سکھا کر بھیجتا تھا مگر ہمارے افسر ان کی زبان سے بھی لاعلم تھے وہاں ان کی دلپسند سرگرمیاں تھیں۔ رقص و موسیقی اور شراب کی محفلیں سجانا اور کھیل تماشے ہوتے تھے۔ افسر شاہی کے اس رویہ نے مشرقی پاکستان کے مسلمانوں میں یہ احساس پیدا کیا کہ حکمرانی میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے۔

اس شرمناک اور افسوسناک فیصلے نے عدلیہ پر سے بھی اعتماد ختم کر دیا اور مشرقی پاکستان کے لوگوں کا یہ احساس مزید تیز ہو گیا کہ اسمبلی کے ساتھ ان کا اسپیکر بھی گیا۔

۱۹۶۵ء کی جنگ میں سترہ روز تک مشرقی پاکستان اسلام آباد سے کٹا رہا۔ اس دوران وہاں تنہائی اور عدم تحفظ کا احساس تھا۔ وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے یہ کہہ کر کہ بھارت نے چین کے ڈر سے مشرقی پاکستان پر حملہ نہیں کیا اس خیال کو تقویت دی کہ خطرے کے وقت مغربی پاکستان' مشرقی پاکستان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

ڈھاکہ یونیورسٹی قوم پرستوں کا گڑھ تھی وہاں اسلام کی بجائے سوشلزم کا پرچار ہوتا تھا۔ ہم نے

> "سقوط ڈھاکہ کی ایک وجہ یہ تھی کہ عوامی لیگ نے مغربی پاکستان میں چند امیدوار کھڑے کئے لیکن تمام توجہ مشرقی پاکستان ہی پر مرکوز رکھی' بنگلہ زبان اور خود مختاری کے نعرے لگائے گئے" ○ پروفیسر غفور احمد

سول بیورو کریسی کے ساتھ فوج بھی ملکی معاملات میں دخیل ہونا شروع ہو گئی۔ جب سول حکومت نے عوامی جذبات کو کچلنے کے لئے فوج کو استعمال کیا تو فوج کو اس بات کا موقع مل گیا کہ ملکی معاملات میں مداخلت کرے۔ فوج میں بھی مشرقی پاکستان کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس طرح اقتدار کے اصل سرچشمے سول اور فوج بیوروکریسی میں مشرقی پاکستان کی عدم شرکت نے محرومی کے اس احساس کو مزید تیز کر دیا۔

مغربی پاکستان سے جو تاجر اور صنعت کار مشرقی پاکستان گئے ان کا رویہ بھی غیروں جیسا تھا ان کے اصل مقاصد الا ماشاء اللہ دولت سمیٹنا' بلیک مارکیٹنگ اور ذخیرہ اندوزی تھے اور وہ بھی مشرقی پاکستان کے لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس طرح ابتداء ہی سے سیاسی انتشار اور معاشی ناانصافی نے ملک کے دونوں حصوں کے درمیان فاصلوں کو جنم دینا شروع کر دیا۔ ۴/اکتوبر ۱۹۵۴ء کو دستور ساز اسمبلی توڑ دی گئی' مولوی تمیز الدین اسپیکر تھے' انہوں نے سندھ ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی جس نے اسمبلی توڑنے کے حکم کو کالعدم قرار دے دیا لیکن حکومت نے فیڈرل (سپریم) کورٹ میں اپیل دائر کر دی جہاں چیف جسٹس منیر کی قیادت میں حکومت کے حکم کو بحال کر دیا گیا۔ یہ فیصلہ عدلیہ کے ماتھے پر داغ لگا گیا۔

تعلیم سے غفلت برتی' بنگلہ میں لٹریچر تیار نہیں کیا۔ مارشل لاء کے بعد ۱۹۷۰ء اہم سال تھا' پاکستان بننے کے ۲۳ سال بعد پہلے عام انتخابات ہو رہے تھے۔ اس دور میں مشرقی حصے میں عوامی لیگ اور مغربی حصے میں پیپلز پارٹی کا غلبہ تھا ملک کو توڑنے والی ایک چیز یہ بھی تھی کہ عوامی لیگ نے مغربی پاکستان میں برائے نام چند امیدوار کھڑے کئے لیکن تمام توجہ مشرقی پاکستان ہی پر مرکوز رکھی' بنگلہ زبان اور خود مختاری کے نعرے لگائے گئے' تعصبات کو بھڑکایا گیا۔ مغربی پاکستان کا کام تھا کہ اس خطرے کا احساس کیا جاتا اور انتخابی میدان میں ان لوگوں کو شکست دی جاتی جو پاکستان دشمنی کا اظہار کر رہے تھے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ان حالات سے شدید پریشان تھے۔ وہ اس زمانے میں کراچی تشریف لائے اور کہا کہ ایسے صنعت کاروں اور تاجروں سے ملنا چاہتا ہوں جن کے کاروبار مشرقی پاکستان میں بھی ہیں چنانچہ ایک ایسی ملاقات کا اہتمام کیا گیا اور بڑے ٹیکسٹائل مل مالک کے گھر پر بڑے صنعت کاروں اور تاجروں کو مدعو کیا گیا جن کے مفادات مشرقی پاکستان میں بھی تھے۔ میں بھی اس مجلس میں شریک تھا۔ مولانا نے تفصیل سے حالات بتائے اور اپیل کی کہ یہ لوگ اپنا کردار ادا کریں۔ میرے تعجب کی انتہا نہ رہی جب اس مجلس میں موجود بڑی تعداد نے کہا کہ ہمیں مشرقی پاکستان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے' ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔

مسلمانوں کی تاریخ میں ایسی لرزہ خیز وارداتیں ہوئیں کہ بنگالی مسلمانوں ہی نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر غیر بنگالی مسلمان مردوں' عورتوں' بوڑھوں اور بچوں کو قتل کیا۔ ماؤں کے سامنے بچے ذبح کر کے ان کا لہو پینے پر مجبور کیا گیا' ڈاکٹر نذیر شہید نے وہاں سے آکر لرزہ خیز داستانیں بناتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے ایسے ہال دیکھے ہیں کہ انسانی خون کی تین تین چار چار انچ موٹی تہہ جم چکی تھی اور غیر بنگالی مسلمانوں کے خون سے ڈرم بھرے ہوئے ہیں۔ ایک طرف یہ قتل عام جاری تھا اور دوسری طرف اسلام آباد میں شراب کے دور چل چل رہے تھے۔ یحییٰ خان طوائفوں کو پہلو میں بٹھا کر شراب نوشی میں مصروف تھا مگر پھر بھی فوج اس کا حکم ماننے پر مجبور تھی۔

سقوط مشرقی پاکستان میں بیرونی قوتوں میں بھارت' روس اور امریکہ نے موثر ترین کردار ادا کیا۔ اندرون ملک اس کے اہم کردار یحییٰ' مجیب اور بھٹو تھے۔ آج پھر طالع آزما سیاسی رہنما اور جماعتیں حصول اقتدار اور حصول مال کے لئے سب کچھ کرنے پر آمادہ ہیں۔ قوم آج بھی بے حس اور خوابیدہ ہے اور اغراض کی دلدل میں پھنسی ہوئی ہے۔ سیاسی سامری ہماری قوم کو آسانی سے مسحور کر دیتے ہیں اگر سقوط مشرقی پاکستان میں سول و فوجی بیوروکریسی اور طالع آزما سیاسی رہنماؤں کا ہاتھ تھا تو قوم بھی خود کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتی وہ آسانی سے ان پارٹیوں کے فریب میں آجاتی ہے۔

---

## دانائی کی باتیں

☆ جس شخص میں غور و فکر کی عادت ہے وہ اپنی روح سے کلام کرتا ہے۔

☆ اپنی اصلاح سب سے مشکل کام ہے اور دوسروں پر نکتہ چینی سب سے آسان۔

☆ عقل کی حد ہو سکتی ہے لیکن بے عقل کی کوئی حد نہیں۔

☆ علم بہت ہیں عمر کم' وہ سیکھ جس سے سب علم آجائیں

☆ کسی کا دل نہ دکھا کہ تو بھی دل رکھتا ہے

**بھٹو کو اقتدار حاصل کرنے کا جنون ہے' اس کے لئے وہ کسی کی پروا نہیں کرے گا' نہ ملک کی نہ اپنے خاندان کی**

**میں نے بھٹو سے کہا تھا: "وہ لوگ میرے بعد تمہیں بھی نہیں چھوڑیں گے' تمہاری کھال کھینچ لیں گے"**

**یحییٰ خان کے آئی ایس آئی کے سربراہ نے کہا تھا: "ملک جائے جہنم میں' ہم ان حرامی بنگالیوں کو اقتدار نہیں دیں گے"**

**بھارت ہمارا محسن ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اسے ایسٹ انڈیا کمپنی کا کردار ادا کرنے کی اجازت دیں**

**بنگال کے مسلمانوں نے اپنی آزادی کے لئے دو سو سال سے بھی زیادہ جدوجہد کی ہے' وہ آزادی کی قدر جانتے ہیں**

**کشمیر کے بارے میں ہم کسی اور حکومت کی نہیں بلکہ صرف اور صرف کشمیریوں کے موقف کی حمایت کرتے ہیں**

# شیخ مجیب الرحمٰن سے ایک ملاقات کی روداد

مرتب: محمد بدر منیر

شیخ مجیب الرحمٰن اب تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔

جب وہ زندہ تھے جب بھی تاریخ کے ہم سفر تھے۔

تحریک پاکستان سے لے کر بنگلہ دیش تک انہوں نے سیاست کی وادی خار زار میں آبلہ پائی کی۔ اپنی ۳۵ سالہ سیاسی زندگی میں سے انہوں نے ساڑھے تیرہ سال پاکستان کی جیلوں میں اور بقیہ ریل میں بسر کی۔ انہوں نے مشرقی بنگال کے دور افتادہ ضلع فرید پور کے ایک دور افتادہ گاؤں ٹونگی پاڑا کے ایک متوسط گھرانے میں آنکھ کھولی اور انہیں یا ان کے والدین کو ٹونگی پاڑا سے باہر کوئی بھی نہیں جانتا تھا لیکن جب انہوں نے ڈھاکا شہر میں چار سو گز رقبہ پر مشتمل ایک دو منزلہ مکان میں اپنی آنکھ بند کی تو دنیا میں بہت کم ایسے لوگ تھے جو ان سے واقف نہ ہوں۔

شیخ مجیب الرحمٰن سے میری پہلی ملاقات کراچی میں جناب محمود الحق عثمانی کے گھر پر ہوئی جہاں مشرقی پاکستان کے لیڈروں کا قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ ان کے گھر سے سو گز کے فاصلے پر لکھم ہاؤس تھا جہاں حسین شہید سہروردی مقیم تھے۔ شیخ مجیب نوجوان تھے' پرجوش تھے' خوب بڑھ چڑھ کر بحث میں حصہ لیتے تھے' عوام سے ان کا قریبی رابطہ تھا' سیاسی تنظیم کے معاملے میں نوجوانوں میں ان کا کوئی ہم پلہ نہیں تھا۔ سہروردی صاحب کہا کرتے تھے: مجیب الرحمٰن کے پائے کا ایک اور شخص مجھے مل جائے تو میں پاکستان کو سیاسی جمہوریت کا قلعہ بنا دوں۔

شیخ مجیب الرحمٰن سے میری مسلسل ملاقاتیں ہوئیں' تعلقات میں کبھی دراڑ نہیں پڑی۔ ایک اخبار نویس کی حیثیت سے اور پھر ایک سیاسی کارکن کی حیثیت سے --- آخری چھ برسوں میں زیادہ تر اخبار نویس کی حیثیت سے ملا۔ انہوں نے تعلقات کی وجہ سے مجھے کئی اہم ذمہ داریاں سپرد کیں اور ان ذمہ داریوں کو میں نے اپنی صلاحیتوں اور ضمیر کی آواز کے مطابق نبھانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

سقوط مشرقی پاکستان کے وقت میں پی پی ایل گروپ کے اخبارات کے بیورو چیف کی حیثیت سے ڈھاکا ہی میں مقیم تھا' سقوط کے بعد جب شیخ مجیب الرحمٰن کو پاکستان کی جیل سے رہائی ملی اور وہ ڈھاکہ کا واپس آئے تو میں واحد غیر بنگالی تھا جو سب سے پہلے ان سے ملا اور پھر فروری ۷۲ء میں پاکستان واپسی تک ان سے مسلسل ملاقاتیں ہوئیں۔ ہفتہ میں کم از کم دو بار اتوار کی سہ پہر اور منگل کو علی الصبح ناشتے کی میز پر ان ملاقاتوں کے دوران ان کی اہلیہ بیگم فضیلت اور ان کا چھوٹا بیٹا شیخ رسل ساتھ ہوتے۔ تین ملاقاتوں میں جناب ظہیر الدین اور خوندکر مشتاق احمد بھی ہمراہ رہے' ان ملاقاتوں میں کافی باتیں ہوئیں' بہت سے موضوعات زیر بحث آئے' ان تمام ملاقاتوں کی روداد کافی طویل ہے۔ شیخ مجیب الرحمٰن سے لاہور میں اسلامی سربراہوں کی کانفرنس میں شرکت کے دوران جنرل اعظم خان کی رہائش گاہ پر بھی ملاقات کا موقع ملا۔

شیخ مجیب الرحمٰن کی تاکید یہ تھی کہ سقوط کے بعد ملاقاتیں ہوئیں ان کی روداد ان کی وفات کے بیس سال بعد منظر عام پر لائی جائیں۔ ان کی وفات کو بیس سال ہو چکے ہیں' بہت سا گرد و غبار کی بارش نے پیوند زمین کر دیا ہے اور لوگوں میں بھی سچ سننے کا حوصلہ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ میں شیخ مجیب الرحمٰن سے ان ملاقاتوں میں سے ایک ملاقات کی روداد قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

یہ ملاقات ۱۷/ فروری ۱۹۷۲ء دھان منڈی کی ۳۲ شاہراہ پر واقع ان کے مکان میں ہوئی جسے نواب زادہ نصراللہ خان از راہ کرم "محل" قرار دے چکے ہیں۔ اس ملاقات میں ساتھی سیکرٹری دفاع ایم خورشید کے بھتیجے عمران احمد خان بھی موجود تھے جو بقید حیات ہیں اور بنگلہ دیش کی حکمران پارٹی کے ایک اہم رہنما بھی ہیں' ان کے علاوہ جناب ظہیرالدین اور خوندکر مشتاق احمد بھی تشریف فرما تھے۔ ملاقات کے دوران ان حضرات نے بھی سوال کئے جن کے جوابات شیخ مجیب نے دیئے۔ سوالات چونکہ متعدد حضرات نے کئے اس لئے اس لئے سوال کنندہ کے نام سوال کے ساتھ دیئے جا رہے ہیں اور چونکہ جواب ایک ہی شخصیت یعنی شیخ مجیب نے دیئے اس لئے ان کے نام کی بجائے "جواب" کی "ج" درج کی جا رہی ہے۔

عمران احمد خان : شیخ صاحب! بنگلہ دیش میں رہ جانے والے غیر بنگالیوں کا کیا مستقبل ہے؟

ج ---- جنہوں نے ہماری شہریت قبول کر لی ہے ان کو وہ تمام حقوق ملیں گے جو دوسرے شہریوں کو حاصل ہوں گے۔ بنگلہ دیش میں کوئی بھی دوسرے درجے کا شہری نہیں ہوگا۔ لیکن جن لوگوں نے ہماری شہریت قبول نہیں کی بلکہ وہ پاکستان جانے پر بضد ہیں' انہیں پاکستان جانا ہوگا اور پاکستان کو انہیں واپس لینا ہوگا۔ جس طرح ہم پاکستان میں رہ جانے والے تمام بنگالیوں کو یا بنگلہ دیش کی شہریت کے دعویداروں کو بنگلہ دیش لانے کے لئے تیار ہیں۔ اگرچہ ہماری آبادی زیادہ ہے' رقبہ بہت کم ہے اور وسائل اس سے بھی کم ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ ہم اللہ کے فضل سے ان تمام مشکلات پر قابو پالیں گے اور ہم قوموں کی برادری میں قابل عزت مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

ظہیرالدین : شیخ صاحب! پاکستان کی جیل میں آپ پر کیا گزری' کچھ اس کی بھی باتیں سنایئے!

ج ---- حاجی صاحب! پاکستان کی جیل میں جو سلوک مجھ سے ہوا میں اس کی کوئی شکایت نہیں کروں گا کیونکہ جیل کے لوگ تو ملازم تھے جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا وہی کچھ انہوں نے کیا۔ مجھے حکومت سے بھی کوئی گلہ نہیں کیونکہ وہ فوجی لوگ تھے اور معاملات کے بارے میں ان کا اپنا رویہ ہوتا ہے' مجھے حیرت تو سیاست دانوں پر ہے جو سب کچھ جاننے کے باوجود مسلسل مطالبہ کر رہے تھے کہ اس (شیخ صاحب) کو پھانسی دینے میں جلدی کی جائے۔ میں قید تنہائی میں تھا' شدید گرمی کے باوجود اس کوٹھڑی میں پنکھا تک نہیں تھا' پینے کے لئے گرم پانی دیا جاتا تھا۔ اور کسی سے ملاقات کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ مجھے میرے اہل خاندان کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی' مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس جیل کی چار دیواری کے باہر کیا ہو رہا ہے' بنگلہ دیش میں میرے لوگوں پر کیا گزر رہی ہے۔

ظہیرالدین : آپ پر جو مقدمہ چلایا گیا اس کے بارے میں.....!

ج ---- یہ مقدمہ اس مقدمہ سے بھی بدترین

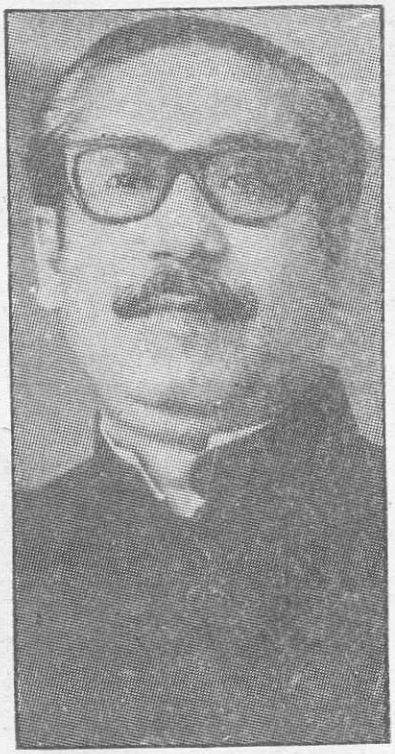

تھا جو سقراط پر چلایا گیا تھا یا ہندوستان میں بہادر شاہ ظفر پر چلایا گیا' مجھے اپنے وکیل مسٹر اے کے بروہی سے بھی اکیلے میں بات کرنے کی اجازت نہیں تھی' ملاقات کے دوران ملٹری انٹیلی جنس کا ایک افسر موجود رہتا تھا اور وہ ہماری گفتگو کے نوٹس لیتا رہتا تھا اور ٹیپ بھی کرتا جاتا تھا۔ ایک بار اتفاقاً اپنی ایک ضرورت پوری کرنے کے لئے وہ افسر تھوڑی دیر کے لئے گیا تو بروہی صاحب نے کم سے کم الفاظ میں سارے حالات بیان کر دیئے اور میرے اہل خاندان کی خیریت کی بھی اطلاع دی۔ پھر اسے آتا دیکھ کر بروہی صاحب خاموش ہو گئے۔ وہ افسر ہمارے درمیان آ کر بیٹھ گیا تو وہ مشکوک نگاہوں سے ہمیں دیکھتا رہا۔ مجھے ہراساں کرنے کے لئے کئی ہتھکنڈے اختیار کئے گئے' ایک بار انہوں نے میرے سیل کے سامنے گڑھا کھودنا شروع کر دیا۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ وارڈن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ یہ تمہاری قبر کھودی جا رہی ہے! اس کا خیال تھا کہ میں سن کر حواس باختہ ہو جاؤں گا لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ ایک بار اتفاقاً جیل میں ایک آرمی آفیسر سے ملاقات ہو گئی جو ڈیوٹی کے سلسلے میں جیل آیا تھا وہ پاکستانیوں کے کمانڈر انچیف ایڈمرل مظفر حسن کا بھائی تھا۔ میں نے اسے کہا اپنے بھائی سے کہو "وہ حکومت پر زور دیں کہ مجھ سے مذاکرات کریں' میں حالات پر قابو پا سکتا ہوں۔ اس نے جواب دیا' شیخ صاحب! بیکار ہے' یحییٰ خان شراب کے نشے میں مدہوش رہتا ہے' پھر اس نے مجھے ایران کے اڑھائی سالہ بادشاہت کے جشن کے بارے میں بتایا کہ یحییٰ خان نے وہاں تمام مہمانوں کے سامنے پتلون کے بٹن کھول کر پیشاب کر دیا جس پر موجود سارے حکمران دم بخود رہ گئے۔ اس نے روس کے صدر ریڈ گورنی کے سینے پر انگلی سے ٹھوکریں مارتے ہوئے بڑی گندی زبان استعمال کی۔ جس سے ریڈ گورنی سخت ناراض ہو گیا۔ شہنشاہ ایران نے اپنے جشن کو بدمزگی سے بچانے کے لئے یحییٰ خان کو مشورہ دیا کہ وہ جتنی جلد اپنے وطن واپس تشریف لے جائیں بہتر ہوگا۔ جب اس افسر نے یہ باتیں بتائیں تو میں خاموش ہو گیا۔ میں سمجھ گیا اب ان لوگوں سے کیا باتیں کی جائیں۔ پھر میں دل ہی دل میں دعا کرتا تھا کہ خدا کرے ان لوگوں کو ہوش آئے لیکن میری دعا قبول نہیں ہوئی۔ یہ اکتوبر کی بات ہے۔

ظہیرالدین : کیا انہوں نے مقدمے کا فیصلہ سنا دیا تھا؟

ج ---- نہیں بلکہ انہوں نے اپنا فیصلہ یحییٰ خان کو بھیج دیا تھا۔ ججوں کے پینل میں سے ایک نے مجھے بتایا کہ ہم نے آپ کا فیصلہ کر دیا ہے اور اس فیصلے کے بارے میں سی ایم ایل اے ہی قطعی فیصلہ سنا سکتے ہیں۔ ان کے فیصلے پر ہی آپ کی زندگی اور موت کا دار و مدار ہے۔ میں نے اسے جواب دیا۔ زندگی اور موت کے بارے میں فیصلہ اللہ ہی کرتا ہے اور ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ میرا ایمان ہے۔

خوندکر مشتاق احمد : ہم لوگوں نے تو کافی پیغامات بھیجے۔ آخر انہوں (پاکستانی حکمرانوں) نے آپ سے ملاقات کیوں نہیں کی۔

ج ---- دراصل وہ لوگ مذاکرات کرنا ہی

نہیں چاہتے تھے -- ایڈمرل احسن نے آئی ایس آئی کے ایک ڈائریکٹر جنرل غالباً جنرل اکبر کی یہ بات مجھے بتائی تھی کہ اس نے چیخ کر کہا تھا کہ --- "ملک جائے جہنم میں' ہم ان حرامی بنگالیوں کو ہرگز اقتدار میں نہیں آنے دیں گے"۔ دراصل وہ لوگ اقتدار ہمیں نہیں دینا چاہتے تھے۔ اس کے لئے انہوں نے بھٹو کو اپنا آلہ کار بنایا' میں نے پہلے بھی بھٹو کو کہا تھا کہ یہ لوگ میرے بعد تمہاری کھال کھینچیں گے۔ لیکن اس نے مذاق میں میرے انتباہ کو نظرانداز کر دیا۔ میں نے بھٹو سے یہ بھی کہا تھا کہ جمہوریت میں اقتدار آنی جانی چیز ہے' کبھی میں اور کبھی تم۔ لیکن اس موقع پر اگر تم نے اصرار کیا تو ہمارے لوگ ناراض ہو جائیں گے اور پھر نہ جانے کیا ہو گا' لیکن میں نے محسوس کیا کہ بھٹو کو اقتدار حاصل کرنے کا جنون ہے۔ اس کے لئے وہ ملک اور خاندان کی بھی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔

عمران احمد خان : بھٹو کو آپ نے یہ بات کب کہی تھی؟

ج ---- جیل سے رہائی کے بعد پریذیڈنٹ ہاؤس راولپنڈی میں۔

خوندکر مشتاق احمد : سنا ہے' اسلام آباد سے لندن روانہ کرتے وقت بھٹو نے آپ کو ڈالروں سے بھرا ہوا بریف کیس بھی دیا تھا؟

ج ---- ہاں۔ وہ بریف کیس میں نے بنگلہ دیش اسٹیٹ بینک میں جمع کرا دیا ہے۔ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس میں کتنی رقم تھی۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ بنگلہ دیش اسٹیٹ بینک کے لئے غیر ملکی زرمبادلہ کا یہ پہلا تحفہ تھا --- اسٹیٹ بینک کی رپورٹ آئے گی تب مجھے پتہ چلے گا کہ اس میں کتنے ڈالر تھے' بریف کیس پر پاکستان اسٹیٹ بینک کی سیل لگی ہوئی تھی میں نے اسی طرح یہ بریف کیس بنگلہ دیش اسٹیٹ بینک کے گورنر کے حوالے کر دیا تھا۔

راقم الحروف : بنگلہ دیش کی خارجہ پالیسی کے بارے میں آپ کچھ کہنا پسند کریں گے؟

ج ---- کیوں نہیں پسند کریں گے (ہنستے ہوئے) ہماری خارجہ پالیسی آزاد ہے اور آزاد رہے گی۔ ہم اپنے تمام ہمسایہ ملکوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنا چاہتے ہیں' ہندوستان اور نیپال کے ساتھ' برما کے ساتھ' بھوٹان کے ساتھ اور ان تمام ممالک کے ساتھ بھی جو ہمارے ہمسائے نہیں ہیں' چین اور امریکہ کے ساتھ بھی' لیکن سب کے ساتھ برابری کی بنیاد پر۔ ہم بنگلہ دیش کی خوشحالی' ترقی اور مضبوطی کے لئے اپنے دوستوں کی امداد کا خیرمقدم کریں گے۔ تمام حریت پسند قوموں کی جدوجہد آزادی کی اخلاقی اور سفارتی سطح پر حمایت کریں گے --- ہم یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ پلاسی سے پاکستان تک اور پاکستان سے بنگلہ دیش تک بنگال کے مسلمانوں نے آزادی کے لئے دو صدی سے زیادہ جدوجہد کی ہے اور اسی لحاظ سے ہماری قربانیاں بھی اس علاقے میں سب سے زیادہ ہیں اس لئے ہم اپنی آزادی کے سلسلے میں غیر معمولی حد تک وہمی ہیں' ہم دوستوں کے لئے ہر قربانی دیں گے لیکن ہم پر آقا کی حیثیت سے مسلط ہونے کی خواہش رکھنے والوں کو ہم ہرگز معاف نہیں کریں گے۔

راقم الحروف : بھارت کے ساتھ آپ کے تعلقات کی نوعیت کیا ہو گی؟

ج ---- بھارت نے انتہائی مشکل وقت میں ہمارا ساتھ دیا ہے' ہمیں ظلم و ستم سے نجات دلائی ہے اور جب بھارتی فوج نے اپنا مشن مکمل کر لیا تو ہمارے ایک مطالبے پر ہماری سرزمین سے واپس چلی گئی۔ ہم مسز اندرا گاندھی کے بھی ممنون ہیں۔ انہوں نے ہمارے لاکھوں باشندوں کو اپنے ملک میں پناہ دی' ہم بھارتی بنگال کے وزیر اعلیٰ جیوتی باسو کے بھی مشکور ہیں کہ انہوں نے ہمارے عوام کا خیال رکھا --- لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہم اپنے تمام حقوق سے دستبردار ہو جائیں گے اور اپنے محسنوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی کا کردار ادا کرنے کے لئے کہیں گے' جی نہیں' ہرگز نہیں اور بھارتی حکمران بھی ہمارے ان خیالات سے بخوبی واقف ہیں۔ مجھے امید ہے کہ بھارت کے ساتھ ہمارے تعلقات خوشگوار رہیں گے۔

راقم الحروف : پاکستان کے ساتھ آپ کس قسم کے تعلقات رکھنا پسند کریں گے' کیا بھٹو نے آپ کو بنگلہ دیش کے بارے میں اپنی حکومت کے رویئے کی جانب کوئی اشارہ دیا ہے؟

ج ---- اس نے تو بہت سی باتیں کی ہیں ---- لیکن اس کی باتوں پر اعتبار کون کرتا ہے --- اس نے تو یہاں تک کہا تھا کہ ہم آپ کے ڈھاکا پہنچنے سے قبل ہی بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیں گے اور اثاثے میں سے آپ کا حصہ دینے کے لئے ایک کمیٹی قائم کرنے کا بھی اعلان کر دیں گے اور جس امداد کی بھی ضرورت ہو گی وہ ہم دیں گے۔ لیکن وہ ایک ناقابل اعتماد شخص ہے۔ وہ اقتدار کے لئے تمام اصولوں کی بھی قربانی دینے کے لئے تیار ہونے والا شخص ہے۔

راقم الحروف : اگر بھارت آپ سے کہے کہ آپ کشمیر کے مسئلہ پر اس کے موقف کی حمایت کریں تو آپ کا کیا ردعمل ہو گا؟

ج ---- (برہم ہوتے ہوئے) یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو' کشمیر کے بارے میں ہم صرف کشمیریوں کے موقف کی حمایت کرتے ہیں' لیکن ہم دہشت گردوں کی حمایت نہیں کرتے' آزادی کی جنگ میں اور دہشت گردی میں زمین آسمان کا فرق ہے' حریت پسند جہازوں کو اغوا نہیں کرتے' بے گناہ اور معصوم لوگوں کو قتل نہیں کرتے۔

بیگم فضیلت النساء --- ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے --- اب ناشتے کے بعد باتیں کیجئے گا۔

## ۲۳ مارچ کا اہم ترین قومی دن اور ڈھاکہ

مشرقی پاکستان کے بحران کے آخری دنوں میں ۲۳ مارچ کا سورج طلوع ہوا۔ یوم پاکستان عموماً قرارداد پاکستان' تحریک پاکستان اور استقلال پاکستان کے پس منظر میں منایا جاتا ہے مگر اس روز ڈھاکہ میں کچھ اور ہی منظر تھا۔ عوامی لیگ نے اسے "یوم مزاحمت" کے طور پر منایا۔ عوامی لیگ کے کارکنوں نے قومی پرچم جلا ڈالا' قائداعظم کی تصویر پھاڑ ڈالی اور ان کا پتلا نذر آتش کر دیا۔ پاکستان کے تشخص کی یہ تمام علامتیں ختم کرنے کے بعد انہوں نے آزاد بنگلہ دیش کا پرچم ہر جگہ لہرایا اور مجیب الرحمٰن کی تصاویر جگہ جگہ آویزاں کر دیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے ٹیگور کا مشہور نغمہ "سنار بنگلہ" قومی ترانے کے طور پر نشر کیا۔ اس روز سارے شہر پر سبز اور قرمزی رنگ کے بنگلہ دیش پرچم لہرا رہے تھے پاکستان کا جھنڈا صرف دو مقامات پر نظر آ رہا تھا ایک گورنمنٹ ہاؤس پر اور دوسرا مارشل لا ہیڈ کوارٹرز کی عمارت پر۔ بلکہ گورنمنٹ ہاؤس کے مغربی دروازے پر بھی کسی نے بنگلہ دیش کا ننھا سا جھنڈا لگا دیا تھا تاہم اصل عمارت پر اب بھی پرچم ستارہ و ہلال لہرا رہا تھا مگر... تنہا... تنہا... بنگالی نوجوان شہر کی سڑکوں پر "جے بنگلہ" کے نعرے لگاتے خوب دندناتے پھر رہے تھے وہ واقعی اسے یوم آزادی کے طور پر منا رہے تھے۔ بنگلہ دیش کی آزادی کی راہ میں صرف چند روڑے تھے جنہیں مجیب الرحمٰن پر امن طور پر ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا" (صفحہ ۱۲۵' ۱۲۶) از صدیق سالک

## انتخابات میں عوامی لیگ کی کامیابی مجیب کی توقعات سے کہیں زیادہ تھی

## بعض لوگ مشرقی پاکستانیوں کو اپنا مطیع بنانے کے لئے بے تاب تھے

## یحییٰ خان نے کہا-- چھ نکات کے خلاف میرے دل میں کوئی بات نہیں

## شیخ مجیب اور یحییٰ خان کے درمیان افہام و تفہیم ہو چکی تھی لیکن....

## میں نے صدر کو ٹیلیگرام بھیجا کہ اگر اسمبلی کا اجلاس ملتوی کیا گیا تو خطرناک لاقانونیت شروع ہو جائے گی

# پاکستان کیسے ٹوٹا--- کس نے توڑا؟

### مشرقی پاکستان کے گورنر ایڈمرل ایس ایم احسن کے انکشافات

وائس ایڈمرل ایم احسن نے جو پاکستان نیوی کے ایک سابق کمانڈر انچیف تھے۔ ۴/ اگست ۱۹۸۹ء کو اپنی اچانک وفات سے پہلے مجھے اپنے اس بیان کی ایک نقل دی تھی جو انہوں نے حمود الرحمٰن کمیشن کے سامنے دیا تھا ان کا مقصد یہ تھا کہ میں اسے ماہانہ ڈیفنس جنرل میں یا کسی اور بہتر جگہ استعمال کر لوں۔ میں اس بیان کو سب سے پہلے ڈیفنس جنرل ہی میں شائع کرنا پسند کرتا تھا لیکن اس ماہانہ جریدے کے لئے مضامین کے مواد اور انتخاب کی جو حدود ہیں ان کے تحت یہ بیان شائع نہ ہو سکا۔ مزید براں میں اس دستاویز کو ۱۹۷۱ء کے بحران اور حالات کی ایک درخشاں دستاویز تصور کرتا ہوں۔ یہ ایک ایسے سول اور ملٹری راہنما کی شہادت ہے جو اپنی غیر معمولی جرات' راست بازی اور لیاقت کی وجہ سے غیر معمولی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لئے میں اس کی اشاعت قومی سطح پر وسیع پیمانے پر کرنا چاہتا تھا۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ جب قائد اعظم نے دریافت کیا کہ پاکستانی افسروں میں سے رائل پاکستان نیوی کا کمانڈر انچیف بننے کا اہل کون ہے تو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے فوراً جواب دیا "لیفٹیننٹ احسن"... نوجوان احسن اس وقت ہندوستان کے آخری وائسرائے کے نیوی کے اے ڈی کانگ (ADC) تھے۔ میری خواہش تو یہ تھی کہ ایڈمرل مرحوم کا پورا بیان اشاعت پذیر ہوتا لیکن جگہ کی کمی کے باعث یہ ممکن نہیں۔ تلخیص میں کوشش کی گئی ہے کہ اصلی مفہوم قائم رہے' بیان کی روح میں معمولی سا فرق نہ پڑے اور اقتباس یا ایڈیٹنگ میں سیاق و سباق سے انحراف نہ ہو۔ (بریگیڈیئر (ر) عبدالرحمٰن صدیقی)

"میرا نام ایس ایم احسن (ایڈمرل احسن) ہے مجھے یکم ستمبر ۱۹۶۹ء کو مشرقی پاکستان کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ میں نے اس دن ڈپٹی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر (نیوی) اور ممبر کونسل آف ایڈمنسٹریشن برائے فنانس' پلاننگ کمیشن' انڈسٹریز' کامرس' فوڈ اور ایگریکلچر کے عہدوں کا چارج چھوڑا تھا۔ اسی دن مجھے پاکستان نیوی کے کمانڈر انچیف کے عہدے سے جو میرا بنیادی عہدہ تھا حکومت نے جبری طور پر (compulsorily) ریٹائر کر دیا تھا۔ کمانڈر انچیف (نیوی) کے عہدے پر میری خدمات کا عرصہ تین برس سے کم تھا۔

جب انتظامی کونسل کو ختم کر کے سول کابینہ بنائی جا رہی تھی میں نے درخواست کی کہ مجھے دوبارہ نیوی میں جانے کی اجازت دی جائے۔ میں بحریہ میں ۱۵ برس کی عمر میں شامل ہوا تھا' میری ابتدائی حیثیت ایک "سیلر" (Sailor) کی تھی' میں نے بحریہ کی ملازمت کے ۳۳ برس کے دوران دفاع اور جنگ کے بارے میں خاصا تجربہ حاصل کر لیا تھا اور بحریہ کے علاوہ مجھے مزید کچھ اور آتا بھی نہیں تھا۔ ایک پابند قانون افسر کی حیثیت میں مجھے سیاست سے شناسائی نہیں تھی تاہم سرکاری فرائض کی انجام دہی کے دوران مجھے چند سیاست دانوں سے ملنے کا موقع ملا تھا۔ نیوی کا کمانڈر انچیف مقرر کئے جانے سے قبل مجھے سات برس تک غیر پیشہ ورانہ قسم کی دوسری خدمات سونپی گئی تھیں اور یوں مجھے نیوی سے دور رکھا گیا تھا۔ اس عرصے میں میں نے چار برس بینکاک میں سیٹو کے ڈپٹی اور پھر چیف ملٹری پلاننگ افسر کی حیثیت میں کام کیا۔ اس کے بعد میں نے آوٹا (Awta) کے چیئرمین کے عہدے پر تین برس ڈھاکہ میں گزارے۔ مارشل لاء کے بعد مجھے جو سرکاری خدمات سونپی گئی تھیں ان کی وجہ سے میں نیوی کی پیشہ ورانہ زندگی سے دور ہو گیا تھا۔ چنانچہ

میں نیوی کے نظرانداز شدہ قومی شعبے کو جدید بنانے اور اس کی تعمیر نو میں جو کردار ادا کر سکتا تھا وہ سرانجام نہ دے سکا۔ قدرتی طور پر معینہ مدت سے قبل نیوی کے کمانڈر انچیف کے عہدے سے ریٹائر ہو جانا مجھے گوارا نہیں تھا۔ میں نے نیوی میں خلوص دل سے ملازمت کی تھی اور مجھے کچھ کامیابی بھی نصیب ہوئی تھی۔

صدر یحییٰ خان اس بات سے آشنا تھے کہ میں سیاسی عہدہ قبول کرنے میں تامل کر رہا تھا۔ لیکن انہوں نے محسوس کیا کہ مشرقی پاکستان کے مسائل اس وقت بہت الجھ چکے تھے اور انہیں کسی ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اس صوبے کا کچھ تجربہ رکھتا ہو۔ انہوں نے کہا کہ بنگال کے لوگوں کے لئے میری کشادہ نظری اور ہمدردانہ رویہ قیمتی متاع تھی' ان کی حکومت کی پالیسی اور مقصد یہ تھا کہ بنگالی عوام کے دل جیتے جائیں اور انہیں مستقبل کے منصوبوں میں شرکت پر آمادہ کیا جائے' مجھے مجبور کیا گیا کہ میں یہ عہدہ عوامی خدمات کے تحت قبول کروں اور اپنی ذاتی پسند و ناپسند اور نجی امور کو خاطر میں نہ لاؤں۔

انتظامی لحاظ سے بنگال ہمیشہ ایک مشکل صوبہ رہا ہے۔ اس کے نظم و نسق کو کنٹرول میں رکھنا آسان نہیں۔ تاریخی اعتبار سے اس خطے نے انتشار اور بدامنی کے بہت سے ادوار دیکھے ہیں۔ یہاں کے لوگ سیاسی جدوجہد اور دور کی کوڑی لانے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔ اس خطے کا جغرافیہ اور آب و ہوا' آبادی کی کثرت اور معاشی بدحالی سب نے مل کر محرومی کا احساس پیدا کیا اور علیحدگی کے احساس کو فروغ دیا۔ نفرت مشرق اور مغرب یا مقامی اور غیر مقامی' چٹاگانگی اور ڈھاکائی اور امیر اور غریب کے درمیان ہی نہیں تھی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فضا میں مابعد الطبیاتی طور پر پرورش پا رہی تھی۔

میں نے نومبر میں حکومت کو متنبہ کیا کہ ہم پر شدید قسم کا دباؤ پڑ رہا ہے۔ ہم تناؤ اور کھچاؤ کی کیفیت میں مبتلا اور شدید خطرات سے دوچار ہیں۔ اگرچہ اس وقت تک مسلح افواج نے بڑی احتیاط سے کام لیا تھا لیکن مستقبل میں اس کی گارنٹی دینا ممکن نہیں تھا۔ میں نے بتایا کہ میں جو منظر دیکھ رہا ہوں اس میں حالات غلط رخ اختیار کر رہے ہیں اور بعض باتیں تو اتنی ضرر رساں ہیں کہ ان سے عوام اور فوج میں تصادم پیدا ہو سکتا ہے اور بعد میں واقعات نے غلط صورت اختیار کر لی تو ان سب کا الزام فوجی حکومت پر ڈال دیا جائے گا۔

مندرجہ بالا اور متعدد دیگر وجوہات کی بناء پر میں

"تاریخی اعتبار سے بنگال نے انتشار اور بدامنی کے بہت سے ادوار دیکھے ہیں۔ یہاں کے لوگ سیاسی جدوجہد اور دور کی کوڑی لانے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔ اس خطے کا جغرافیہ اور آب و ہوا' آبادی کی کثرت اور معاشی بدحالی سب نے مل کر محرومی کا احساس پیدا کیا اور علیحدگی کے احساس کو فروغ دیا"

نے اصرار کیا کہ جتنی جلدی ممکن ہو عام انتخابات منعقد کرا دیئے جائیں۔ میں نے مارچ ۱۹۷۰ء کی کوئی تاریخ تجویز کی تھی لیکن مجھے کہا گیا کہ انتخابات اتنی جلدی کرانا ممکن نہیں۔ میں نے اپنے دوستوں کو کہا کہ "برصغیر ہندوستان کو صرف چھ ہفتوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا"۔

یکم ستمبر اور ۳۱ دسمبر ۱۹۶۹ء کے درمیان دو ایسے واقعات عمل میں آئے کہ ہمیں سول گورنمنٹ کی مدد کے لئے فوج کو طلب کرنا پڑا (نومبر ۱۹۶۹ء میں ڈھاکہ میں بنگالی اور غیر بنگالیوں کے درمیان تصادم ہو گیا تھا ان فسادات میں غیر بنگالیوں کی دو کالونیاں میرپور اور محمد پور بہت زیادہ اثر انداز ہوئیں۔ مارشل لاء لگائے جانے کے بعد پہلی دفعہ فوج کو طلب کر لیا گیا تھا۔ اس فساد کے پیچھے ایسٹ پاکستان اسٹوڈنٹس لیگ کے دو ارکان سلیم اور منٹو کا ہاتھ تھا۔ انہیں گرفتار کر لیا گیا لیکن اب وہ ہیرو بن چکے تھے) فوج کے استعمال پر پورے صوبے میں مذمت کی لہر اٹھ کھڑی ہوئی۔ چنانچہ اس کے خلاف نفرت تیزی سے پھیلنے لگی۔ میں شدت سے اس بات کا خواہاں تھا کہ فوجی فائرنگ کے دوران کوئی موت واقع نہ ہو' مجھے یقین تھا کہ اس سے عوامی ردعمل بہت شدت اختیار کر جائے گا فوج کے علاوہ مغربی پاکستان کے خلاف نفرت پھیلے گی اور ہم خیر سگالی کی جو فضا بنانا چاہتے ہیں وہ پیدا نہ کی جا سکے گی۔

میں نے ان تمام عوامل کا ذکر صدر پاکستان سے کیا اور سفارش کی کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم آہستہ آہستہ فوج کو شہری ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیں۔ مارشل لاء چونکہ جاری رہے گا اس لئے فوجی افسر اپنے حلقے میں رہیں گے۔ لیکن فوجی مداخلت کم ہو جائے گی۔

۱۹۷۰ء کے اوائل میں سیاسی پارٹیوں سے پابندی ختم کر دی گئی۔ سیاسی عمل کے لئے مارشل لاء احکامات جاری کر دیئے گئے۔ لیکن سیاسی سرگرمیوں پر جو پابندی لگی ہوئی تھی' وہ بوتل کا ڈھکنا ہٹتے ہی جن کی طرح باہر نکل آئیں۔ عوامی جلسوں میں بڑی تیزی سے تصادم ہونے لگے۔ تاہم اس دوران میں کوئی زیادہ خطرناک بات عمل میں نہیں آئی' ابتداء ہی میں یہ حقیقت سامنے آ گئی تھی کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو مشرقی پاکستان میں بہت مقبولیت حاصل ہے۔ اس کے بعد یہ بھی واضح ہو گیا کہ عوامی لیگ اور اس کے کرشماتی رہنما اور چھ نکات عوام کے دلوں میں جگہ بنا چکے ہیں۔ انتخابی مہم کے مہینوں میں جب مشرقی پاکستان کے لیڈر اپنی پارٹی کے پروگرام پر عوام کی مہر تصدیق لگوا رہے تھے اور اپنی ذاتی مقبولیت میں اضافہ کر رہے تھے تو میں نے حتی الوسع اپنی بہترین صلاحیت کے مطابق غیر جانبداری کا راستہ اختیار کیا اور سرکاری افسروں کو بھی ہدایت کی کہ وہ میری حکمت عملی پر کام کریں اور ان کی ذاتی رائے جو کچھ ہو سرکاری امور میں بالکل غیر جانبدار رہیں۔ میں نے شیخ مجیب الرحمٰن' مولانا بھاشانی' پروفیسر مظفر احمد' خواجہ خیر الدین' پروفیسر غلام اعظم' خان صبور خان' مسٹر وجیہ الزمان' مسٹر نورالامین اور متعدد دوسرے سیاسی کارکنوں کے ساتھ ایسے تعلقات پیدا کر لئے تھے کہ ہم مل کر کام کر سکیں' مولانا مودودی صاحب نے

ایک دفعہ مجھ پر الزام لگایا کہ میں مجیب الرحمٰن سے زیادہ ہمدردی کرتا ہوں پھر میں نے مولانا غلام اعظم سے شکایت کی تو انہوں نے کہا میرے بارے میں مشرقی پاکستان کی جماعت اسلامی کی رائے مولانا مودودی کی رائے سے مختلف ہے۔ میں جانتا تھا کہ جماعت اسلامی ایک مضبوط جماعت ہے جو ضابطہ نظم و نسق پر بختی سے عمل کرتی ہے۔ اس ضابطے کی روشنی میں مولانا غلام اعظم نے جو کچھ کہا یہ ان کا کرم تھا اور میرے لئے باعث اطمینان۔

شیخ مجیب الرحمٰن سے میں بالعموم ایم ایل اے زون بی لیفٹیننٹ جنرل صاحبزادہ یعقوب خان یا میجر جنرل راؤ فرمان علی میں سے کسی ایک کی معیت میں یا دونوں کے ساتھ مل کر ملاقات کیا کرتا تھا۔ میں ان لیڈروں سے مغربی پاکستان کے لوگوں کے احساسات و جذبات کا ذکر کرتا اور فوج کے لئے تعریفی الفاظ استعمال کرتا کیونکہ اس وقت ان دونوں کے خلاف بدنظمی اور انتشار پھیلانے کی شدید شکایات موجود تھیں۔

میں اس وقت السر کے مرض میں مبتلا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ میں بنگالی قومیت کی فروغ شدہ فضا میں تنہا کام کر رہا تھا' اس لئے میں صدر صاحب سے اکثر کہتا تھا کہ مجھے گورنر کی خدمت سے سبکدوش کر دیا جائے۔ وہ ہر دفعہ میرا استعفاء مسترد کر دیتے اور کہتے کہ

"ہم دونوں اکٹھے گھر جائیں گے"۔

مارچ ۱۹۷۰ء کے لگ بھگ صدر نے دونوں صوبائی گورنروں کے ساتھ بند کمرے میں "لیگل فریم ورک آرڈر" پر تبادلہ خیالات کیا۔ اس وقت یہ مسودہ کابینہ کے سامنے پیش نہیں کیا گیا تھا۔ یہ مسودہ راولپنڈی میں تیار کیا گیا تھا۔ میں نے اسے پہلی مرتبہ صدر کی اس میٹنگ میں دیکھا تھا۔ میں نے تجویز پیش کی کہ "ایل ایف او" میں انتخابات کرانے کے لئے کم سے کم شقیں رکھی جائیں اور "متنازعہ امور (مثلاً ون یونٹ کا توڑنا) کو نہ چھیڑا جائے۔ میرا خیال تھا کہ فوجی حکومت کو کوئی ایسا فیصلہ صادر نہیں کرنا چاہئے جس سے ون یونٹ کے موافق اور مخالف دھڑوں کے جذبات کو آگ لگ جائے۔ میری اس رائے کو دو وجوہ کی بناء پر مسترد کر دیا گیا۔

اول : اگر عام انتخابات سے پہلے ون یونٹ کو نہ توڑا گیا تو انتخابات میں "ون یونٹ" ایک اہم مسئلہ بن جائے گا۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ مغربی پاکستان کے چھوٹے صوبے اسمبلی میں ون یونٹ کے شدید مخالفین کو لے آئیں گے۔

دوم : اگر ون یونٹ قائم رہا تو شیخ مجیب الرحمٰن چھوٹے صوبوں کی حمایت حاصل کر لے گا اور ان کو یقین دلائے گا کہ وہ ون یونٹ کو توڑنے کے حق میں ہے۔

جون ۱۹۷۰ء کے دوران میں مشرقی اور مغربی پاکستان میں اس قسم کی سرگوشیاں سنیں کہ فوجی اور سول حکومت کے لوگوں کا خیال ہے کہ صوبائی انتظامیہ کو زیادہ بااختیار بنایا جائے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ ملک میں چونکہ مارشل لاء نافذ ہے اس لئے صوبائی حکومت کو چاہئے کہ وہ نظم و ضبط کو قائم رکھے اور اس کے لئے مضبوط کنٹرول کام میں لائے۔ عملی طور پر جو لوگ مارشل لاء کو سختی سے نافذ کرنا چاہتے تھے۔ وہ درحقیقت اپنے مقاصد کی تکمیل کے خواہاں تھے۔ بعض صنعت کار مارشل لاء کی آڑ میں مزدوروں کی قوت کو کچلنا چاہتے تھے۔ کچھ سیاست دان اپنے مخالفین کے کارکنوں کو گرفتار کرانے کے آرزو مند تھے اور اس مقصد کے لئے فوج کی مدد حاصل کرنا اور ان کے خلاف مارشل لاء کے تحت مقدمات قائم کرانا چاہتے تھے۔ بالفاظ دیگر بعض مخصوص مطلب براریوں کے لئے لوگ فوج کو استعمال کرنے اور اسے عوام سے خطرناک تصادم کی راہ پر ڈالنے کے حق میں تھے۔ بعض لوگ مغربی پاکستان کی "جنگو ازم" (Jingoism) سے مشرقی پاکستان کی قومیت پرستی پر غالب آنا چاہتے تھے۔ وہ مشرقی پاکستان کے لوگوں کو نوآبادیاتی باشندے سمجھتے تھے اور انہیں اپنا مطیع بنانے کے لئے بیتاب تھے۔

میں نے صدر کو اور ان کے پرنسپل اسٹاف آفیسر کو بتایا کہ اگر فوج میں اس قسم کے خیالات فروغ پاتے رہے تو میں ذہنی اور جذباتی طور پر گورنر کے فرائض سرانجام دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میں اس کہاوت میں جو دانش پوشیدہ ہے اس سے شناسا تھا کہ "کسی نیک مقصد کے بغیر اگر تشدد کیا جائے تو یہ تباہی کا پیش خیمہ ہے اور اگر مقصد نیک ہو تو عدم تشدد کمزوری ہے"۔ میں یہ بات دیانت داری سے کہنا چاہتا ہوں کہ فروری ۱۹۷۱ء تک میرے اس قسم کے جذبات کی پی ایس او پیرزادہ نے ہمیشہ پذیرائی کی اور صدر نے انہیں قبول کیا۔ مجھے ان میں حیلہ سازی یا فریب انگیزی کا عنصر نظر نہیں آتا تھا۔ یکم ستمبر ۱۹۶۹ء سے لے کر (جب مجھے گورنر مقرر کیا گیا تھا) یکم مارچ ۱۹۷۱ء تک (جب مجھے فارغ کر دیا گیا) میں نے اپنے ایسے ہی تصورات کو قائم رکھا اور مناسب مواقع پر ان کا دفاع کیا۔ میں محسوس کرتا تھا کہ یہ عمل میرے مذہبی اعتقادات کے مطابق تھا اور موجودہ حالات میں صحیح عملی پالیسی یہی تھی۔

عام انتخابات کے لئے اکتوبر ۱۹۷۰ء کی تاریخ مقرر کی گئی۔ یہ تاریخ میری مجوزہ تاریخ سے بہت دور تھی لیکن ستمبر ۱۹۷۰ء میں خوفناک طوفان کی وجہ سے اس تاریخ میں تبدیلی کر دی گئی۔ صدر خود ڈھاکہ آئے تو شیخ مجیب الرحمٰن کے ساتھ پہلی ملاقات میں وہ مان گئے کہ یہ التواء غیر مناسب تھا۔ تاہم طوفان سے متاثرہ علاقوں کے دورہ کے بعد انہوں نے اپنی رائے تبدیل کر لی۔ شیخ مجیب الرحمٰن کو جب صدر کا سابقہ ارادہ معلوم ہو گیا تو انہوں نے عوام میں التوا کے خلاف تقریریں کرنی شروع کر دی تھیں۔ بعد میں ایک اور ملاقات میں صدر نے شیخ مجیب کو اپنے نئے فیصلے سے مطلع کر دیا۔ شیخ مجیب نے کہا "آپ کی یقین دہانی ہی پر تو میں نے آپ کی تائید کی تھی اب عوام سمجھیں گے کہ مجھے ان کی بہبود کا کوئی خیال نہیں ہے۔ مشرقی پاکستان کے لوگ تو ہر وقت آدھے پانی میں ڈوبے رہتے ہیں' انہیں ووٹ ڈالنے میں ایسی کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی جو برداشت نہ کی جا سکے"۔

قومی اور صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں عوامی لیگ کو جو فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی وہ مجیب الرحمٰن کی اپنی توقعات سے بھی زیادہ تھی۔

الیکشن ختم ہو گئے تو میں نے پرنسپل اسٹاف آفیسر (P.S.O) کو ٹیلی فون کیا کہ وہ شیخ مجیب الرحمٰن اور مسٹر زیڈ اے بھٹو کو راولپنڈی بلانے کے امکانات پر غور کریں تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ کیا یہ مل کر عارضی گورنمنٹ تشکیل دے سکتے ہیں یا دونوں کوئی اور لائحہ عمل اختیار کر سکتے ہیں؟

جنوری ۱۹۷۱ء کے اوائل میں صدر یحییٰ خان مشرقی پاکستان تشریف لائے تو انہی ایام میں پرنسپل اسٹاف آفیسر ایک دن میرے دفتر بھی آئے اور انہوں نے مجھے کہا کہ "میں عوامی لیگ کے چھ نکات کو دیکھ لوں"۔ جب چھ نکات کی دستاویز حاصل کی جا رہی

> "ابتداء ہی میں یہ حقیقت سامنے آ گئی تھی کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو مشرقی پاکستان میں بہت مقبولیت حاصل ہے۔ اس کے بعد یہ بھی واضح ہو گیا کہ عوامی لیگ اور اس کے کرشماتی رہنما اور چھ نکات عوام کے دلوں میں جگہ بنا چکے ہیں"

تھیں تو میں نے ان سے دریافت کیا "چھ نکات پر نظر ڈالنے کا مقصد کیا ہے؟" انہوں نے بتایا کہ "صدر مملکت شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات کر رہے ہیں' اس ملاقات میں "چھ نکات" پر بھی بحث ہو گی' اس بحث میں آپ کو بھی شرکت کی دعوت دی جاتی ہے"۔

میں نے پرنسپل اسٹاف افسر سے پوچھا "کیا چھ نکات کا محققانہ تجزیاتی مطالعہ کر لیا گیا ہے اور کیا اس کے نقائص اور کوتاہیاں اخذ کر لی گئی ہیں تاکہ صدر موزوں سوالات اٹھا کر عوامی لیگ کے لیڈروں سے اہم ترین مسائل پر وضاحت طلب کر سکیں؟ پرنسپل اسٹاف آفیسر نے کہا کہ "اس قسم کا تجزیہ تو نہیں کیا گیا لیکن یہ حالات سے آگہی کا ابتدائی سیشن ہے۔ تفصیلی بحث کے لئے ہمیں بعد میں کئی مواقع ملیں گے"۔ اگلے دن ایوان صدر ڈھاکہ میں میٹنگ منعقد ہوئی۔ صدر' پرنسپل اسٹاف افسر اور میرے علاوہ مندرجہ ذیل اصحاب موجود تھے۔

۱) شیخ مجیب الرحمٰن
۲) تاج الدین احمد
۳) نذر الاسلام
۴) قمر الزمان
۵) کھنڈکر مشتاق احمد
۶) کیپٹن منصور علی

عوامی لیگ کے لیڈروں نے میٹنگ میں اپنا چھ نکاتی پروگرام پیش کیا۔ صدر نے اس پر جو سوالات اٹھائے عوامی لیگ کے لیڈروں نے ان کے جوابات دیئے۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے صدر کو مخاطب کر کے کہا "سر! آپ کو معلوم ہے کہ چھ نکاتی پروگرام کیا ہے' اگر اس پروگرام پر آپ کو کوئی اعتراض ہو تو ہمیں بتایئے"۔

صدر نے کہا "چھ نکاتی پروگرام کے خلاف میرے دل میں کوئی بات نہیں ہے' لیکن آپ کو مغربی پاکستان کے لیڈروں کو ساتھ لے کر چلنا ہو گا"۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے جواب دیا "یقیناً سر! جتنی جلدی ممکن ہو سکے آپ اسمبلی طلب کر لیجئے' میں ۱۵ فروری ۱۹۷۱ء کی تاریخ تجویز کرتا ہوں' آپ دیکھیں گے کہ میں اسمبلی میں صرف سادہ اکثریت ہی نہیں بلکہ دو تہائی اکثریت حاصل کر لوں گا"۔

اس پر میں نے رائے دی کہ مکمل اکثریت سے عوامی لیگ اپنے آئین کو آسانی سے منظور کرا سکتی ہے اس طرح تو آپ کی جماعت کو مغربی پاکستان کے حقوق کا فکر لاحق نہیں ہو گا"۔

**شیخ مجیب نے کہا: "میں پورے پاکستان کا اکثریتی نمائندہ ہوں۔ میں مغربی پاکستان کے حقوق کو نظرانداز نہیں کر سکتا۔ میں نہ صرف مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے عوام کے سامنے جواب دہ ہوں بلکہ عالمی رائے عامہ بھی میرا گریبان پکڑ سکتی ہے"**

شیخ مجیب نے جواب دیا "نہیں' نہیں' میں ڈیمو کریٹ ہوں۔ میں پورے پاکستان کا اکثریتی نمائندہ ہوں۔ میں مغربی پاکستان کے حقوق کو نظرانداز نہیں کر سکتا۔ میں نہ صرف مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے عوام کے سامنے جواب دہ ہوں بلکہ عالمی رائے عامہ بھی میرا گریبان پکڑ سکتی ہے۔ میں ہر چیز جمہوری اصولوں کے مطابق عمل میں لاؤں گا۔ اس کام کی ابتداء کرنے کے لئے آپ اسمبلی سیشن شروع ہونے سے تین یا چار دن پہلے ڈھاکہ آ جائیں۔ میں آپ کو اپنے مرتب کردہ آئین کا مسودہ دکھا دوں گا' آپ کو اس پر اعتراض ہوا تو میں آپ کی خواہشات کو اس میں سمونے کی کوشش کروں گا۔ اکثریتی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت میں اسمبلی میں صدر کے خطاب کا مسودہ بھی آپ کو پیش کروں گا۔ میں اسمبلی میں آپ کو خراج تحسین ادا کروں گا کہ آپ نے جمہوریت کو بحال کیا ہے۔ اس کے بعد ہم ایک جمہوری پارلیمنٹ کے تمام امور مکمل کریں گے۔ ہم ایک سبجیکٹ کمیٹی قائم کریں گے اور اسمبلی کے اندر اور اس کے باہر بحث' مباحثے اور باہمی بات چیت سے تمام امور کے لئے قابل قبول فارمولے تلاش کریں گے"۔

آئین سازی کے طریق کار پر مزید گفتگو کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا "سر' میری پارٹی آپ کو پاکستان کا منتخب صدر چننا چاہتی ہے۔ یہ بہت بڑا اعزاز ہے اور ہمارے خیال میں پاکستان میں جمہوریت بحال کرنے کے لئے یہ آپ کا حق ہے"۔

صدر نے جواب دیا "میں ایک سیدھا سادھا سپاہی ہوں' میں یا تو واپس بیرک میں چلا جاؤں گا یا اپنے گھر چلا جاؤں گا"۔

شیخ مجیب نے کہا "نو سر! ہم آپ کو یہ اعزاز مسترد نہیں کرنے دیں گے' جب قوم آپ کی خدمات کی طلب گار ہے تو آپ انکار نہیں کر سکتے"۔

اس خوشگوار فضا میں گفتگو کرنے کے بعد صدر نے شیخ مجیب الرحمٰن پر اس بات کی اہمیت ظاہر کی کہ عوامی لیگ کو مغربی پاکستان کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی پی پی پی کے بہت قریب رہ کر کام کرنا ہو گا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا "میں یقیناً پیپلز پارٹی کا ہی نہیں بلکہ مغربی پاکستان کی دوسری پارٹیوں کا تعاون بھی حاصل کروں گا۔ مغربی پاکستان کو مشرقی پاکستان جیسی خود مختاری کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ضرورت پڑی تو میں ان کی مدد کروں گا۔ لیکن اگر مغربی پاکستان کے لیڈر کوئی نظام خود وضع کریں گے تو میں اس میں ہرگز شریک نہیں ہوں گا"۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے صدر سے پھر درخواست کی کہ "لوگ بہت بے صبرے ہو رہے ہیں اور وقت تیزی سے گزر رہا ہے اس لئے ۱۵ فروری کو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا جائے"۔ صدر نے وعدہ کیا کہ جتنی جلدی ممکن ہوا وہ اسمبلی کو طلب کر لیں گے۔ صدر نے مجیب الرحمٰن کو یہ بھی بتایا کہ وہ واپسی پر شکار کے لئے لاڑکانہ جائیں گے اور بھٹو سے ملیں گے۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ گورنر کو یہ ہدایت کی جائے کہ وہ تمام اہم مسائل میں منتخب نمائندوں سے مشاورت کریں۔ صدر نے اس پر فیصلہ دیا کہ عارضی انتظام میں عوامی لیگ کی مشاورتی شرکت کے سلسلے میں تجویز کا مسودہ ترتیب دیا جائے اور یہ تجویز مرکزی حکومت کو بھیجی جائے۔ اس سلسلے میں تاج الدین احمد اور ڈاکٹر کمال حسین کو گورنر کے ساتھ رابطہ کرنے کے لئے نامزد کیا گیا۔ اسی شام ایوان صدر میں بعض فوجی افسروں نے تجویز پیش کی جنرل یحییٰ کو نہ صرف صدر منتخب کیا جائے بلکہ وہ فوج کے کمانڈر انچیف یا افواج پاکستان کے سپریم کمانڈر کے عہدے پر فائز رہیں۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ یحییٰ کو رسمی قسم کا صدر نہیں ہونا چاہئے۔ اس تجویز پر صدر خود تو کچھ نہ بولے اور خاموش رہے لیکن میں نے اشارہ یہ کیا کہ میری رائے میں اس قسم کی تجویز کو

منتخب نمائندے قبول کرنے پر شاید آمادہ نہ ہوں۔ اس کے برعکس یہ بات کہیں زیادہ موزوں ہوگی کہ صدر باوقار طور پر ریٹائر ہو جائیں اور وہ تاریخ میں ایک ایسے باعزت صدر کا مقام حاصل کریں جس نے اپنی مرضی سے اقتدار کو خیرباد کہہ دیا تھا"۔

میرا خیال تھا کہ اگر صدر نے کوئی عہدہ طلب کیا تو یہ جمہوریت مروجہ اور قبول شدہ ڈگر سے انحراف کے مترادف ہوگا۔

ایئرپورٹ کی طرف جاتے ہوئے میں نے راستے میں ایک دفعہ پھر تشویش کا اظہار کیا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے میں تاخیر کی جارہی تھی۔ اگرچہ لیگل فریم ورک آرڈر میں اس بات کی وضاحت نہیں کی گئی تھی کہ اسمبلی کا "جلسہ" کتنی جلدی بلایا جانا چاہئے لیکن اب ایک ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا اور ایل ایف او کا مقصد تاخیر کو عمل میں لانا ہرگز نہیں تھا۔

صدر نے کہا "شیخ مجیب الرحمٰن چاہتے ہیں کہ اسمبلی ۱۵ فروری کو طلب کی جائے، جب کہ بھٹو مارچ میں بلانے کے حق میں ہیں۔ ان دونوں کی دی ہوئی تاریخ قبول کرنے کے بجائے عید کے فوراً بعد اجلاس طلب کرلوں"۔

صدر کو خدا حافظ کہنے کے بعد میں نے طمانیت کا لیا۔ شکوک و شبہات اور پریشانیوں کا دور قریباً ختم ہو چکا تھا۔ میں بجا طور پر محسوس کرتا تھا کہ صدر اپنے بیان اور جذبات میں مخلص تھے اور وہ اقتدار اعلیٰ جس کے لئے بہت محنت اور مشقت اٹھانے کی ضرورت تھی، کوشاں نہیں تھے۔ مزید برآں معاملات کی عملی صورت کے پیش نظر صدر، ان کے پرسنل شاف آفیسر اور میرے درمیان ایک یہ نقطہ مشترک موجود تھا کہ مسلح افواج کو ملک کی حکمرانی سے فارغ کر دیا جائے تاکہ وہ دفاع اور بیرونی حملوں کی تیاری اور اپنی بنیادی ذمہ داریاں سرانجام دے سکیں۔

گا۔ اس وعدے کی اساس پر میں نے حتی الامکان اس قسم کی افواہوں کو رد کرنے کی پوری کوشش کی۔

جنوری ۱۹۷۱ء میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو پی پی پی کے معاونین کے ساتھ ڈھاکہ آئے، انہوں نے مجیب الرحمٰن کے ساتھ مذاکرات کئے اور طوفان کی زد میں آئے ہوئے علاقوں کا دورہ بھی کیا۔ بھٹو نے ازراہ کرم مجھے بھی شرف ملاقات بخشا اور مشورہ دیا کہ میں طوفان زدگان کے لئے مکانات کی تعمیر کا کام تیزی سے تکمیل کو پہنچاؤں، بدقسمتی سے بانسوں کی فراہمی میں حائل مشکلات اور بانسوں کی مطلوبہ تعداد کی عدم دستیابی کے باعث یہ منصوبہ آہستہ روی سے چل رہا تھا۔ مجیب الرحمٰن سے ملاقات کے بارے میں ان کا تاثر یہ تھا کہ وہ نہ مطمئن تھے اور نہ غیر مطمئن۔

مسٹر بھٹو کی رخصتی کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن میرے پاس آئے۔ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون بی اور میجر جنرل سول آفیسرز اس وقت موجود تھے۔ شیخ مجیب نے بتایا کہ بھٹو صاحب سے ان کے مذاکرات ابھی نامکمل ہیں اور چیئرمین پی پی پی تفصیلی باتوں کے لئے ایک دفعہ پھر ڈھاکہ آئیں گے۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ میں صدر پر جلد از جلد دستور ساز اسمبلی کا اجلاس بلانے کے لئے زور ڈالوں۔

فروری ۱۹۷۱ء کے پہلے ہفتے میں صدر نے شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے معاونین کو اپنے ذاتی مہمان

دی کہ ایم ایل اے اور میں شیخ مجیب الرحمٰن کو ان کی دعوت قبول کرنے پر آمادہ نہیں کر سکے۔ میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ عوامی لیگ کے ایم این اے اور ایم پی اے نیشنل اسمبلی کے اجلاس کی تاریخ مقرر کرنے کا پرزور مطالبہ کرنے والے ہیں اور کیا یہ باوقار طریقہ نہیں ہوگا کہ اس قسم کے مطالبے سے قبل ہی تاریخ مقرر کر دی جائے۔ چنانچہ جب ۱۳ فروری ۱۹۷۱ء کو قومی اسمبلی کا پہلا اجلاس ۳ مارچ ۱۹۷۱ء کو طلب کر لیا گیا تو مجھے بے حد اطمینان حاصل ہوا۔

چند دنوں کے بعد مجھے صدر کا ایک ٹیلی گرام ملا اس ٹیلی گرام نے نہ صرف مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ بلکہ اس نے حکومت کے ارادوں کے بارے میں بھی میرے دل میں بداعتمادی پیدا کر دی۔ ٹیلی گرام کچھ یوں تھا:

"شیخ مجیب الرحمٰن سے کہو کہ میں "صدر پاکستان" راولپنڈی کی دعوت ٹھکرائے جانے پر ان سے سخت ناراض ہوں اور وہ اگر جلد از جلد راولپنڈی نہیں آتے تو آئندہ درپیش آنے والے خطرناک حالات کے ذمہ دار ہوں گے"۔

مجھے کہا گیا تھا کہ میں یہ ٹیلی گرام شیخ مجیب الرحمٰن کو پڑھ کر سنا دوں اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون بی کی موجودگی میں ان کے حوالے کر دوں۔ میں

> **"بعض لوگ مغربی پاکستان کی "جنگوازم" (Jingoism) سے مشرقی پاکستان کی قومیت پرستی پر غالب آنا چاہتے تھے۔ وہ مشرقی پاکستان کے لوگوں کو نوآبادیاتی باشندے سمجھتے تھے اور انہیں اپنا مطیع بنانے کے لئے بیتاب تھے"**

مغربی پاکستان جانے کے بعد صدر لاڑکانہ میں شکار کے لئے چلے گئے۔ انہی دنوں ایک تصویر اخبار میں چھپی جس میں صدر کچھ سینئر افسروں کے ساتھ دکھائے گئے تھے۔ ویسے تو یہ تصویر بالکل سادہ تھی اور یہ قطعاً غیر معمولی نہیں تھی لیکن ڈھاکہ میں اس تصویر نے شکوک و شبہات کو جنم دیا اور طرح طرح کی افواہیں فروغ پانے لگیں، ایک عام خیال یہ تھا کہ عوامی لیگ کے چھ نکات کا اثر زائل کرنے اور اس جماعت پر دباؤ ڈالنے کے لئے اسمبلی سیشن کے انعقاد میں تاخیر کروانے کی سازش ہو رہی ہے۔ مجھے صدر نے یقین دلایا تھا کہ اسمبلی سیشن عید کے بعد منعقد ہو

کی حیثیت میں راولپنڈی آنے کی دعوت دی۔ میں نے شیخ صاحب کو زبانی پیغام دینے کے علاوہ انہیں صدر کی طرف سے تحریری دعوت نامہ بھی بھیج دیا۔ لیکن شیخ مجیب نے اس موقع پر مغربی پاکستان جانے سے معذرت کر لی۔ وجہ یہ بتائی کہ "انہوں نے ان ایام میں قومی و صوبائی اسمبلیوں میں عوامی لیگ کے ممبروں کی کانفرنس طلب کر رکھی ہے"۔ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور میں نے ان سے درخواست کی کہ انہیں مستقبل قریب میں جو تاریخ مناسب اور موزوں معلوم ہوتی ہے وہ دے دیں لیکن ہمیں علم تھا کہ یہ سب کچھ بیکار تھا۔ میں نے صدر کو اطلاع کر

نے پرنسپل سٹاف افسر کو ٹیلی فون پر اس تار کے ابتدائی آمرانہ الفاظ پر اپنی تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ اس تار سے مجیب الرحمٰن ضرور چھت اڑا دے گا۔ اس کے حواس بجا ہوں گے تو پوچھے گا کہ "انہیں پنڈی کیوں طلب کیا جا رہا ہے" لیکن پرنسپل اسٹاف افسر اس مسئلے پر مصر بہ لب تھے اور اصرار کر رہے تھے کہ ٹیلی گرام کی ہدایات پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ میں نے شیخ مجیب الرحمٰن کو دعوت دی کہ وہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور میجر جنرل سول افیسرز کے ساتھ ایک میٹنگ میں شریک ہوں۔

اس میٹنگ میں ابتدائی رسمی علیک سلیک کے

بعد ہم آہستہ مفہوم کی طرف آنے کی کوشش کر رہے تھے تو مجھے دوسرے کمرے میں بلایا گیا کہ میں راولپنڈی سے صدر صاحب کی بات سن لوں۔ اسلام آباد سے دریافت کیا گیا کہ "ٹیلی گرام مجیب الرحمٰن کو سنا دی گئی ہے؟"۔ میں نے جواب دیا "بس چند لمحے بعد سنا دی جائے گی"۔ اس پر حکم ملا کہ "میں شام تک یہ پیغام روک لوں"۔ یہ بات بہت پریشان کن تھی۔ لہٰذا میں نے فوراً راولپنڈی میں پرنسپل اسٹاف افسر کو ٹیلی فون کیا اور اس پیغام کی توثیق طلب کی۔ میں چاہتا تھا کہ پی ایس او صدر صاحب سے ان کا حکم خود حاصل کر کے مجھے پہنچائیں۔ میری بات سن کر پی ایس او بھی پریشان ہو گئے تاہم انہوں نے صدر سے توثیق کرانے کے بعد مجھے اطلاع دے دی کہ ان کا پیغام روک لیا جائے۔

> **"پاکستانی حکام مجھے تباہ کرنا اور پاکستان کو بھی سلامت نہیں رکھنا چاہتے تاریخ فیصلہ کرے گی کہ اس تباہی کا الزام کس پر دھرا جائے۔ کم از کم انجام و عواقب کے لئے مجیب الرحمٰن کو ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے" ○ شیخ مجیب**

۲۲ فروری ۱۹۷۱ء کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں اور گورنروں کی ایک کانفرنس میں شرکت کے لئے مجھے راولپنڈی بلا لیا گیا۔ پنڈی پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہاں ہر طرف "ملٹری ازم" کا طغیان اٹھا ہوا تھا۔ میں یہ فضا دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا۔ کابینہ ڈسمس کر دی گئی تھی اور مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان براہ راست ہوائی سروس بند ہو چکی تھی ان دو وجوہ کی بنا پر بھی بحران بہت شدید نظر آتا تھا۔ "فوجی حل" کے منصوبے پر ہر طرف باتیں ہو رہی تھیں' میں اس صورتحال میں اچانک الجھا دیا گیا تھا۔ مجھے نہ تو کسی "فوجی منصوبے" کا علم تھا اور نہ میں "فوجی حل" کے سلسلے میں کچھ جانتا تھا۔

۲۲ فروری ۱۹۷۱ء کی شام کو صدر نے گورنروں اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں کی اس میٹنگ کی صدارت کی۔ حسب معمول سول اور ملٹری خفیہ اداروں کے افسران بھی اس میں شریک تھے۔ یہاں یہ بات ریکارڈ پر لانا ضروری ہے کہ گورنروں اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں کے اس قبیلے میں صرف ایک میں "غیر فوجی" گورنر اور حاضر ڈیوٹی افسران میں ایک ریٹائرڈ شدہ افسر تھا۔ کانفرنس کی ابتدا میں صدر نے ملک کے موجودہ حالات کا جائزہ لیا اور ان مشکلات کا تذکرہ کیا جو مغربی پاکستان کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی پی پی پی کو قومی اسمبلی کے جلسے میں شرکت پر آمادہ کرنے میں انہیں درپیش تھیں۔ انہوں نے چھ نکات پر شیخ مجیب الرحمٰن کے بے لچک رویہ کو اس کی بڑی وجہ قرار دیا۔ ان کا خیال تھا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس اس مفید مقصد کی تکمیل نہیں کرے گا۔

دوسرے گورنروں' مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں اور خفیہ اداروں کے افسروں کا زاویہ خیال بھی یہی تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ شیخ مجیب الرحمٰن اور چھ نکات کے خلاف مہم شروع کی جائے کیونکہ چھ نکات سیاسی مسائل کے حل میں سب سے بڑی رکاوٹ ڈال رہے تھے۔

جب یہ سب آوازیں کچھ مدھم پڑیں تو میں نے حاضرین کو یاد دلایا کہ "چھ نکات ہمارے لئے نہ نئے تھے اور نہ یہ اچانک اگ آئے تھے"۔ اسی لمحے صدر اٹھ کھڑے ہوئے اور جنرل حمید' لیفٹیننٹ جنرل پیرزادہ' لیفٹیننٹ جنرل یعقوب کو اور مجھے علیحدہ کمرے میں لے گئے۔ کانفرنس میں شریک باقی لوگ وہیں بیٹھے رہے۔ ظاہر ہے کہ وہ صدر سے متفق تھے۔ جب ہم اس چھوٹے کمرے میں بیٹھ گئے تو صدر نے ایک دفعہ پھر حالات کا جائزہ لیا اور اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ اسمبلی کے "جلسے" کو ملتوی کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کی دو بڑی سیاسی پارٹیاں اسمبلی سے باہر اپنے اختلافات ختم کر سکیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دستور سازی کے لئے جو ۱۲۰ دن کا وقت مقرر تھا اسے بہت تقدیس دی جا رہی تھی' اس بات کو بہت ضروری سمجھا جا رہا تھا کہ اسمبلی شروع ہونے سے قبل سب اختلافی امور طے کر لئے جائیں۔ میں نے واضح کیا کہ اسمبلی اجلاس کا التوا فوری طور پر شدید منفی ردعمل پیدا کرے گا' اس کے خلاف وسیع پیمانے پر ایجی ٹیشن شروع ہو جائے گی اور لاقانونیت پھیل جائے گی۔ درحقیقت چشم بینا رکھنے والا ہر شخص دیکھ رہا تھا کہ شیخ مجیب الرحمٰن آخری بنگالی تھا جس کے ساتھ مغربی پاکستان گفت و شنید کر سکتا تھا اور کسی فیصلے یا مفاہمت تک پہنچ سکتا تھا۔ بنگال کا وہ طبقہ جو تخلیق پاکستان کے وقت پیدا ہوا تھا اب جوان ہو چکا تھا لیکن اس کی پرورش نفرت اور تعصب پر ہوئی تھی اور اسے ملک کے بقیہ حصے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

صدر کا خیال تھا کہ میرا خوف بے سود اور بیکار تھا' کیونکہ وہ اسمبلی کے التواء کے اعلان کے ساتھ ہی دو بڑے اقدام کرنے والے تھے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ گورنر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے عہدوں کو آپس میں ضم کر دیا جائے اور یہ وہی صورت تھی جو میرے گورنر مقرر ہونے سے قبل نافذ تھی' دوسرے وہ اخبارات پر سنسر لگانے اور مارشل لاء کو سخت کرنے والے تھے۔ اسمبلی کے التواء کا اعلان یکم مارچ ۱۹۷۱ء کو تجویز کیا گیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اس اعلان سے ۲۴ گھنٹے قبل مجیب الرحمٰن کو مطلع کر دیا جائے۔ مجھے کہا گیا کہ میں واپس مشرقی پاکستان جا کر مجیب الرحمٰن کو سمجھاؤں کہ وہ ہوش کے ناخن لے۔ میں نے اس دوران میں محسوس کیا کہ صدر نے ایک دفعہ بھی میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہیں دیکھا۔ مجھے ان کے ارادوں میں فریب' مکاری اور جرم کی جھلک نظر آئی تھی۔

میں ۲۵ فروری ۱۹۷۱ء کو مشرقی پاکستان واپس آیا۔ اس وقت پورے صوبے میں سخت کشیدگی پھیلی ہوئی تھی اور یہ ناقابل برداشت تھی۔ میں نے شیخ مجیب الرحمٰن سے رابطہ کیا۔ باہمی معاہدے کے تحت ہماری ملاقات ایک خفیہ مقام پر ہوئی تاکہ اخبارات کے کان میں اس ملاقات کی بھنک نہ پڑے۔

میں نے انہیں بتایا کہ "اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرنے کے لئے صدر پر شدید دباؤ پڑ رہا ہے۔ اس ڈیڈ لاک کو توڑنے کے لئے مجیب کے لئے ضروری تھا کہ وہ فوراً راولپنڈی پہنچ جائیں مزید برآں اس بات کی بھی بہت اہمیت ہے کہ وہ مغربی پاکستان کے عوام کے جذبات کو آسودہ کرنے کے لئے ان کے حق میں کچھ نہ کچھ ضرور بیان دیں' کم از کم بیرونی تجارت اور غیر ملکی امداد کے سلسلے میں محتاط انداز میں ممکنہ حد تک نرمی کا اظہار کریں۔ میں نے انہیں بتایا کہ پاکستان کی قسمت اب ترازو میں ہے اور ملک کو تباہی سے صرف وہی بچا سکتے ہیں۔

میری اس بات پر شیخ مجیب الرحمٰن بظاہر ڈول گئے لیکن پھر جلد ہی انہوں نے اپنی کیفیت بحال کر لی' انہوں نے کہا کہ وہ دھمکیوں سے خوف نہیں کھاتے

اور بنگال کے عوام کو کبھی دھوکہ نہیں دیں گے اور یہ کہ انہیں مغربی پاکستان کے غریب عوام سے کچھ کم محبت نہیں تھی۔ وہ اس حصے میں اپنی پارٹی منظم کرنا چاہتے تھے لیکن موجودہ حکومت کے انٹیلی جینس افسروں نے پیرپگاڑا کو دھمکی دی کہ وہ عوامی لیگ سے دست تعاون کھینچ لے"۔

اگلے دو یا تین دن بے حد بھیانک تھے۔ میں صدر کے ارادوں کے بارے میں تذبذب میں تھا' وہ متعدد مواقع پر متزلزل ہو گئے تھے۔ انہوں نے اس کھیل میں اپنے پتوں کو سینے کے ساتھ لگا رکھا تھا۔ مجھے یوں لگتا تھا کہ مرکزی حکومت میں اب میرا کوئی ایک ساتھی بھی نہیں تھا جسے میں اپنا دکھ درد بتا سکتا۔ چنانچہ میں نے ایک ضروری ٹیلی گرام میں صورتحال کا تجزیہ کیا اور واضح طور پر کہا کہ اگر صدر اسمبلی کا اجلاس ملتوی کریں گے تو مشرقی پاکستان میں بے حد خطرناک لاقانونیت شروع ہو جائے گی اور سول انتظامیہ اسے کنٹرول نہیں کر سکے گی۔

۲۸ فروری ۱۹۷۱ء کو مجوزہ اعلامیہ سے ۲۴ گھنٹے قبل میں نے شیخ مجیب الرحمٰن کو بلایا ان کے ساتھ مسٹر تاج الدین احمد بھی آئے۔ شیخ صاحب نے پوچھا "کیا اسمبلی کا التوا غیر معینہ عرصے کے لئے کیا جا رہا ہے؟" میں نے جواب دیا "مجھے خدشہ ہے کہ شاید ایسا ہی ہے"۔ میں نے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ التوا بہت مختصر عرصے کے لئے ہو گا لیکن وہ اس بات کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور کچھ ایسے الفاظ کہے کہ پاکستانی حکام مجھے تباہ کرنا اور پاکستان کو بھی سلامت نہیں رکھنا چاہتے تاریخ فیصلہ کرے گی کہ اس تباہی کا الزام کس پر دھرا جائے۔ کم از کم انجام و عواقب کے لئے مجیب الرحمٰن کو ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے"۔

یکم مارچ ۱۹۷۱ء کو اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دینے کا اعلان کر دیا گیا۔ صدر پاکستان نے چونکہ خود قوم سے خطاب نہیں کیا تھا اس لئے لوگوں میں قیاس آرائی ہونے لگی کہ جنرل یحییٰ کو حکومت سے نکال دیا گیا ہے اور نئے جتنا نے اقتدار سنبھال لیا ہے۔ ۲۸ فروری کی رات اور یکم مارچ کے پورے دن کے دوران میں نے صدر سے ٹیلی فون پر بات کرنے کی کوشش کی لیکن یا تو وہ مجھ سے ملنا نہیں چاہتے تھے یا ان سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے انہیں اپنا آخری ٹیلی گرام بھیجا:

"میں اس آخری مرحلے پر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ عرصے کے لئے ملتوی نہ کیجئے اور اس کے لئے کوئی نئی تاریخ مقرر کر دیجئے بصورت دیگر ہم ایسے مقام پر پہنچ جائیں گے جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہو گی"۔

میں نے راولپنڈی میں پرنسپل اسٹاف افسر سے متعدد مرتبہ رابطہ کیا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ "صدر کراچی میں ہیں اور میں ان سے خود بات کروں"۔ میجر جنرل عمر نے کراچی سے بتایا کہ "صدر بہت مصروف ہیں اور وہ میرا پیغام ان تک پہنچا دیں گے"۔ آخر میں نے جنرل حمید سے بات کی اور انہیں اس نازک صورتحال کا احساس دلایا۔ جنرل حمید نے کہا کہ انہیں سیاسی مدوجزر کا علم نہیں ہے لیکن وہ صدر سے رابطہ کرنے کی کوشش کریں گے"۔

اسی دوران میں شیخ مجیب الرحمٰن نے اپنا ایک ایلچی میرے پاس بھیجا اور کہا "حالات جو بھی رخ اختیار کریں آپ استعفیٰ نہ دیں' آپ مغربی پاکستان کے ساتھ ہمارے رابطے کا آخری وسیلہ ہیں۔ آپ چلے گئے تو ہم میں سے کوئی شخص مغربی پاکستان کے کسی آدمی کے ساتھ بات نہیں کرے گا"۔

☆☆☆☆

## مشرقی پاکستان کے آزادانہ و منصفانہ انتخابات کی اصل حقیقت

۷ دسمبر کے عام انتخابات سے چار روز پہلے عساکر پاکستان کو انتخابات کی نگرانی سونپی گئی تھی نگرانی کا دائرہ کار متعین کر دیا گیا تھا۔ جی ایچ کیو راولپنڈی سے موصول ہونے والی ہدایات کا نچوڑ یہ تھا:

۱۔ پولنگ میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے۔
۲۔ صرف اہم اور حساس مقامات پر نگاہ رکھی جائے۔
۳۔ سپاہیوں کو عوام کی نظروں سے اوجھل رکھا جائے۔ (تاکہ وہ اشتعال کا باعث نہ بنیں)
۴۔ صرف بلوے کو فرو کرنے کے لئے کارروائی کی جائے۔

پولنگ اسٹیشنوں پر "عوامی لیگ" کے غنڈوں نے اکثر مقامات پر قبضہ جما رکھا تھا' وہ مرضی سے ووٹ ڈلوا رہے تھے' انتخابی عملے نے اپنے مستقبل کے حکمرانوں کو من مانی کرنے کی کھلی چھوٹ دے رکھی تھی۔ عوامی لیگ کی حریف جماعتوں کو دادرسی کے لئے فوجی افسروں کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا مگر وہ اس وقت تک مداخلت کرنے کے مجاز نہ تھے جب تک کہ امن عامہ میں خلل نہ پڑے..... اس نگرانی کے دو واقعات درج ذیل ہیں:

ضلع نواکھلی کے ایک مقام پر ایک بارہ سالہ لڑکا "جے بنگلہ دیش" زندہ باد کے نعرے لگاتا پولنگ بوتھ میں ووٹ ڈالنے آیا۔ عوامی لیگ کے مخالف امیدوار نے شکایت کی کہ یہ لڑکا عمر کے لحاظ سے ووٹ دینے کا اہل نہیں ہے۔ دوم یہ پولنگ بوتھ میں نعرے لگا کر قانون کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ وہاں پر متعین فوجی افسر نے یہ کہہ کر کسی قسم کی کارروائی سے معذرت کر لی کہ میں اس کا مجاز نہیں' آپ پریذائڈنگ افسر سے شکایت کریں۔ ایک شخص پولنگ افسر کی ملی بھگت سے پانچویں مرتبہ اپنا ووٹ ڈالنے جا رہا تھا۔ میجر صاحب نے شکایت سننے کے بعد فرمایا بندہ نواز آپ کا ارشاد درست' مگر یہ میرا دردسر نہیں کہ کون کتنی مرتبہ ووٹ ڈالتا ہے مجھے یہ بتایئے کوئی خون خرابہ تو نہیں ہوا۔

سارا دن یہ تماشا دیکھنے کے بعد جب ۷ دسمبر کا سورج مغربی افق میں اپنا منہ چھپانے لگا تو جنرل یعقوب اور جنرل راؤ فرمان علی کے چہرے پر طمانیت اور فخر کے آثار نمایاں تھے۔ جنرل یعقوب علی خان نے کہا "مجھے خوشی ہے حالات پرسکون رہے اور انتخابات منصفانہ اور آزادانہ ماحول میں منعقد ہو گئے" جنرل راؤ فرمان نے کہا "بے شک..... آزاد..... مگر آزاد" انتخابات کے چار روز بعد ۱۱ دسمبر کو جنرل یحییٰ خان نے عساکر پاکستان کو داد و تحسین کا پیغام بھیجا "پر امن انتخابات منعقد کرانے میں عساکر پاکستان کے تمام افسروں نے جس غیر جانبداری' فرض شناسی اور ضبط کا مظاہرہ کیا ہے وہ داد اور تحسین کا مستحق ہے" اس "پر امن" ماحول کا نتیجہ یہ نکلا کہ دو نشستوں کے سوا ساری نشستیں عوامی لیگ کی جھولی میں جا پڑیں۔

("میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا" (صفحہ ۴۷' ۴۸) سے ایک اقتباس۔ از صدیق سالک)

## مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان ایک ہی رشتہ تھا اور وہ اسلام کا رشتہ تھا

## ہم نے قیام پاکستان کے وقت جغرافیائی اور دوسرے حقائق کو نظرانداز کر دیا

# بنگلہ دیش کی ترقی اور خوشحالی پر ہمیں خوش ہونا چاہئے

## بھارت کی ثقافتی یلغار اور ہزاروں گنا بڑی فوجی طاقت کے باوجود بنگلہ دیش اپنا علیحدہ تشخص برقرار رکھنے میں کامیاب ہے

## محصورین کو پاکستان واپس آنا چاہئے۔ یہ ان کا حق ہے

### روزنامہ "اتفاق" ڈھاکہ کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد' امیر تنظیم اسلامی کا انٹرویو

مرتب : محمد بدر منیر

ڈاکٹر اسرار احمد کا نام ان دنوں سننے میں آیا جب "سقوط ماچھی گوٹھ" کا سانحہ پیش آیا۔ اس سانحے میں جماعت کے کئی اہم رہنماؤں نے جماعت سے ترک تعلق کیا۔ اس دور کے نوجوانوں کی طرح میں بھی جماعت سے بالخصوص مولانا مودودی اور مولانا امین احسن کی تحریروں سے زیادہ متاثر تھا' اس لئے فطری طور پر مجھے بھی صدمہ ہوا۔ ایک طویل عرصہ گزر گیا یہاں تک کہ گزشتہ پندرہ سال سے ڈاکٹر اسرار احمد کی تحریریں "نوائے وقت" اور دوسرے قومی اخبارات میں شائع ہونے لگیں' ان کی تحریروں میں خشکی اور یبوست نہیں تھی اس لئے انہیں زیادہ دلچسپی سے مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا۔ بعض اصولی اختلافات کے باوجود ان سے ذہنی رابطہ رہا یہاں تک کہ ایک جریدے کے لئے انٹرویو کے سلسلے میں ان سے ملاقات ہوئی تو پھر ان کی خوش گفتاری سے بھی دو چار ہوا۔ کراچی کے امیر جماعت چودھری غلام محمد مرحوم کی زبانی جو کچھ سنا تھا اس کی تصدیق ہوئی۔ چودھری صاحب ڈاکٹر اسرار احمد اور مولانا امین احسن اصلاحی کی جماعت سے علیحدگی کی ایک عظیم نقصان سمجھتے تھے اور فی الواقع یہ ایک عظیم نقصان تھا۔ غالباً جناب عبدالقادر حسن نے اپنے کسی کالم میں لکھا تھا کہ جماعت اسلامی چھوڑنے کے باوجود چھوڑنے والے کے دل میں جماعت موجود رہتی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد سے ملاقات اور پھر ان کی تحریروں کے مطالعے سے اس قول کی صداقت ثابت ہو جاتی ہے۔ اس ملاقات میں باتوں کے گلزار کھلتے گئے' انہوں نے پوری دلسوزی کے ساتھ عالم اسلام اور بالخصوص پاکستان کے حالات پر اپنے تاثرات ظاہر کئے۔ پھر ان سے دوسری ملاقات بنگلہ دیش کے ایک اخبار کے لئے انٹرویو کے سلسلے میں ہوئی۔ بنگلہ دیش کے روزنامہ "اتفاق" کے ایڈیٹر انچیف بیرسٹر معین الحسین نے خواہش ظاہر کی کہ میں بنگلہ دیش کے بارے میں پانچ چھ پاکستانی رہنماؤں اور دانشوروں سے ملاقات کروں اور ان کے خیالات "اتفاق" کے لئے قلم بند کروں۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر اسرار احمد بھی تھے۔

"اتفاق" کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد کا انٹرویو کا متن درج ذیل ہے۔ (مرتب)

☆ مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے میں کون سے عناصر اور عوامل کار فرما تھے؟

○--- اب جب کہ بنگلہ دیش کے قیام کو ۲۵ سال ہو چکے ہیں' ہمیں حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے نئے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے' تاکہ دو برادر ملکوں کے درمیان تعلقات خوشگوار ہوں' کیونکہ تعلقات خوشگوار اور بہتر ہوں گے تو ہم ایک دوسرے کو سمجھیں گے اور مستقبل میں عالم اسلام کے اتحاد کے لئے اقدامات کر سکیں گے۔ ۲۵ سال میں دنیا کا سیاسی منظر نامہ بدل چکا ہے' کئی بڑے ممالک ایسے تھے جو اب چھوٹے ہو چکے ہیں اور متعدد چھوٹے ممالک اب تیزی سے بڑے ملک بن چکے ہیں یا بنتے جا رہے ہیں۔ کبھی کہا جاتا تھا کہ جاپان اور کوریا اب ایک صدی تک سنبھل نہیں سکیں گے لیکن جاپان کہاں سے کہاں پہنچ چکا ہے' سپر پاور امریکہ اس کی پیش قدمی سے خوف زدہ ہے' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ نے جاپان پر جو دو ایٹم بم گرائے تھے انہوں نے جاپانیوں کو ایٹمی توانائی سے بھرپور کر دیا ہے' اسی طرح کوریا بھی تقسیم ہونے کے باوجود ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہونے کے لئے تیار ہیں۔ مسلم ملکوں میں صرف ملائیشیا ایسا ملک ہے جس کی ترقی کی بنیاد ٹھوس ہے' ان حالات میں دیکھا جائے تو بنگلہ دیش کے بارے میں جو اطلاعات موصول ہو رہی ہیں وہ حیرت انگیز ہیں۔ ۲۵ سال قبل جس علاقے کو "دسکشول" قرار دیا جا رہا تھا اب وہ آہستہ آہستہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو رہا ہے اور اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے برادر ملک کو اور بھی مضبوط کرے' اسے خوش حالی عطا کرے تاکہ وہ مسلمانوں کے لئے امید و عمل کی علامت بن سکے۔

بنگلہ دیش کی تشکیل میں کن عناصر کا ہاتھ ہے یا اس کے قیام میں کون سے عوامل کار فرما ہیں' تو اب یہ محض رسمی سی بات رہ گئی ہے' اس کے بارے میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ اس تلخ حقیقت کو اب تسلیم کر لینا چاہئے کہ قیام پاکستان کے سلسلے میں ہم سے ایک غلطی یہ سرزد ہوئی کہ ہم نے جغرافیائی حقائق کو

**"بنگلہ دیش میں آج بھی اسلام کا رشتہ سب سے زیادہ مضبوط ہے اور یہ واحد وجہ ہے جس کے باعث بنگلہ دیش ایک آزاد اور خود مختار ملک ہے۔ وہ رنگ' نسل' ثقافت اور زبان کی یک رنگی کے باوجود بھارتی بنگال میں ضم نہیں ہوا"**

جذبات کی نذر کر دیا۔ ہم نے قرارداد لاہور کی روح کو نہیں سمجھا اور ۱۹۴۶ء میں ایک ایسی قرارداد پیش کی جس میں مشرق اور مغرب میں واقع مسلم اکثریتی علاقوں کو ایک ملک بنانے کا مطالبہ کیا اور یہ بھول گئے کہ ان دونوں کے درمیان نہ صرف خشکی بلکہ سمندر بھی حائل ہے اور ان پر ہمارے روایتی دشمن کا کنٹرول ہو گا۔ وہ یہ بھی بھول گئے دونوں خطوں کے درمیان مذہب کے سوا کوئی اور رشتہ نہیں' نہ ہماری زبان ایک ہے' نہ ثقافت' نہ تہذیب اور نہ مسائل۔ اگر کوئی بات مشترک تھی تو وہ مذہب تھا لیکن اس رشتے کو کمزور کرنے کے لئے ہر وہ کوشش کی گئی جو کی جا سکتی تھی' چنانچہ اس تعلق کو کمزور کرنے کے نتیجے میں مشرقی پاکستان بنگلہ دیش کی صورت میں تبدیل ہو گیا' لیکن اس کے بعد بھی بنگلہ دیش نے اپنا وجود علیحدہ رکھا۔ وہ ثقافت' رنگ و نسل اور زبان کی یک رنگی کے باوجود بھارتی بنگال میں ضم نہیں ہوا اور اس کی آزادی و خود مختاری کی واحد وجہ یا جواز صرف اور صرف دین اسلام ہے' اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بنگلہ دیش میں اسلام کا رشتہ دوسرے تمام رشتوں سے افضل ہے' طاقت ور ہے۔ بھارت کی بے پناہ ثقافتی یلغار اور ہزاروں گنا فوجی طاقت اور اپنی کمزوری کے باوجود بنگلہ دیش اپنا علیحدہ تشخص برقرار رکھنے میں کامیاب ہے اور اس پر ہم پاکستانیوں کو خوش ہونا چاہئے۔ فخر کرنا چاہئے۔

☆ ڈاکٹر صاحب! کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آئندہ بھی یہ صورت برقرار رہے گی اور بنگلہ دیش اپنی آزادی برقرار رکھنے میں کامیاب رہے گا؟

O---- بنگلہ دیش اپنی عمر کے ۲۵ سال مکمل کر چکا ہے اور اب وہ اپنی گولڈن جوبلی کی طرف رواں ہے' وہ بظاہر تن تنہا ہے لیکن اس کے اردگرد زیادہ مضبوط مسلم ممالک ہیں' مثلاً ملائشیا اور انڈونیشیا۔ فلپائن میں بھی اسلامی نشاۃ ثانیہ کی تحریک چل رہی ہے' بنگلہ دیش کی سرحد کے ساتھ ہی اراکان کے مسلمان جنہیں روہنگیا مسلمان بھی کہا جاتا ہے' نامساعد حالات کے باوجود اپنی آزادی کے لئے جنگ لڑ رہے ہیں۔ خود بھارت میں مسلمان آہستہ آہستہ اپنے مذہبی تشخص کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہو رہے ہیں اور اللہ سے دعا کرنی چاہئے کہ وہ اپنی تنہائی کے احساس سے نجات حاصل کر کے خود اعتمادی کے راستے پر گامزن رہیں۔

☆ گزشتہ ۲۵ سال سے بنگلہ دیش میں لاکھوں افراد کیمپوں میں غیر انسانی زندگی بسر کر رہے ہیں' ان کی کم از کم دو نسلیں اپنے انجام کو پہنچ چکی ہیں' وہ پاکستانی شہریت کے مدعی ہیں اور حکومت پاکستان انہیں پاکستان واپس لانے کا وعدہ کر چکی ہے لیکن کبھی بے روزگاری اور کبھی وسائل کی کمی کی آڑ لے کر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کا موقف کیا ہے؟

O---- حکومت پاکستان کو اپنا وعدہ پورا کرنا چاہئے۔ محصورین کا یہ دعویٰ بجا ہے کہ وہ پاکستانی شہری ہیں' پاکستانی حکومتوں کی یہ سنگدلانہ بے حسی افسوس ناک ہے۔ وہ ۲۵ سال سے مسلسل پاکستانی ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں اور غیر معمولی تکالیف برداشت کر رہے ہیں۔ ہمارے ہاں ایسے کتنے لوگ ہیں جو پاکستان کی شہریت برقرار رکھنے کے لئے اتنی تکالیف برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔ وہ راسخ العقیدہ پاکستانی اس ملک کے لئے ایک قیمتی اثاثہ ثابت ہو سکتے ہیں۔


Manufacturers and Exporters of

Quality Homoeopathic Pharmaceuticals & Publishers of Standard books on Homoeopathy.

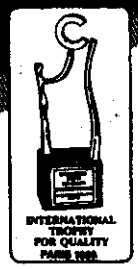


Masood

Over three quarters of a century in the service of Homoeopathy

**Homoeopathic Stores & Hospital**

30-Allama Iqbal Road, Lahore-54000, Pakistan
Telephones : 6303076-6302360
Fax : 92-42-6361138 GRAMS : "HOMOEOPATH"

*Ask for detailed catalogue.*

# کلمۂ شہادت

## کاکسز بازار سے تعلق رکھنے والے عظیم محب الوطن پاکستانی مولوی فرید احمد کی زندگی کے آخری اوراق

پاکستان کے عاشق صادق کی روداد وفا۔ اس نے حضرت شاہ جلال کے حکم پر تحریک پاکستان میں حصہ لیا۔ وہ قومی اسمبلی کا رکن بنا پھر وہ متحدہ پاکستان میں وزیر بھی رہا' وہ سیاست دان تھا' وہ درویش تھا' وہ مصنف تھا' وہ دوستوں کا دوست تھا اور دشمنوں کا بھی دوست تھا لیکن اس کی وکالت بہت کم چلتی تھی کیونکہ وہ موکل کی باقاعدہ تفتیش کیا کرتا تھا کہ وہ حق پر ہے یا جھوٹا ہے۔ ظاہر ہے جب وہ سچے موکل کا مقدمہ لیتا تو اس کی فیس کم ہی ہوتی۔ اس نے سرکاری حیثیت سے کبھی ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا۔ سیاست کو اس نے تجارت نہیں بنایا۔ وکالت سے جو کچھ کمایا وہ سیاست پر لٹا دیا۔ اس ناچیز کو آخری سال انہیں بہت قریب سے دیکھنے اور سننے کا موقع ملا..... متحدہ پاکستان کا آخری سال ان کا بھی آخری سال ثابت ہوا۔ اس نے کہا تھا کہ کلمہ شہادت جاری ہو۔

۲۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کی صبح اس نے اسی انداز میں کلمہ شہادت ادا کیا' اس کی آنکھیں نکال دی گئیں لیکن وہ کلمہ شہادت ادا کرتا رہا۔ اس کی ٹانگ کاٹ دی گئی وہ کلمہ شہادت پڑھتا رہا' اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا گیا وہ پھر بھی کلمہ شہادت پڑھتا رہا اور پاکستان زندہ باد کہتا رہا یہاں تک کہ اس کی زبان کاٹ دی گئی اور پھر اس کی بائیں ہاتھ کی انگشت شہادت نے آسمان کی طرف اشارہ کیا..... مولوی فرید احمد کی روداد وفا..... عارضی زندگی کو داؤ پر لگا کر ابدی زندگی حاصل کرنے والے عظیم محب الوطن پاکستانی کی زندگی کے آخری اوراق.....!

**۲۱ مئی ۱۹۷۱ء۔**

ہوٹل شاہ باغ ڈھاکہ کے ہال میں پاکستان اور چین کے درمیان سفارتی تعلقات کی سالگرہ منائی جا رہی تھی' تقریب میں چینی قونصل جنرل مہمان خصوصی تھے' مقررین میں خواجہ سید خیر الدین' مولانا نور الزمان اور مولوی فرید احمد قابل تھے۔ چینی قونصل جنرل نے اپنی تقریر میں پاکستان اور چین کے درمیان دوستی کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان اور چین کی دوستی عظیم دیوار چین کی طرح مستحکم اور پائیدار ہے' اسے دنیا کی کوئی طاقت بھی کمزور نہیں کر سکے گی۔ اس سے قبل خواجہ خیر الدین' مولانا نورالزمان اور مولوی فرید احمد نے اپنی تقریروں میں ایک طرف پاکستان اور چین کے درمیان دوستی کو ہر آزمائش میں پوری اترنے کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا کہ ان دونوں ملکوں کے درمیان مفاہمت اور دوستی دنیا کے دوسرے ممالک کے لئے ایک مثالی حیثیت رکھتی ہے۔ مولوی صاحب نے اپنی تقریر میں مشرقی پاکستان کے اس وقت کے تناظر میں اور کئی باتیں کہی تھیں۔ انہوں نے واضح طور پر کہا تھا کہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کو الگ کرنے کی کارروائی کی جا رہی ہے اگر چین واقعی پاکستان کا دوست ہے تو اس کارروائی کو روکنے کے لئے آگے بڑھے۔ چینی قونصل جنرل نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ پاکستان ایک آزاد ملک ہے اور چین اس کی آزادی کا احترام کرتے ہوئے اس کے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتا' لیکن دوستی کے ناطے پاکستان ہم سے جو بھی طلب کرے گا ہم اسے دینے کے لئے تیار ہیں۔ تمام حاضرین نے چینی قونصل کے اس اعلان کا پرجوش تالیوں سے خیر مقدم کیا تھا۔ اس تقریب میں متعدد قرار دادیں بھی منظور کی گئی تھیں جن میں سے ایک قرار داد میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ پاکستان کی حکومت مشرقی صوبے میں بدامنی اور بے چینی کو ختم کرنے کے لئے فوری اقدامات کرے۔

۲۲ مئی کے اخبارات میں اس تقریب کی کارروائی نمایاں طور پر شائع ہوئی لیکن اس میں مولوی فرید احمد کی تقریر کا کوئی ذکر تک نہ تھا یہاں تک کہ ان کا تذکرہ بھی نہ تھا وہ اس تقریب میں موجود تھے' مجھے اس پر حیرت ہوئی۔ میں نے کے۔ جی مصطفیٰ سے دریافت کیا کہ ماجرا کیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ حکومت کی جانب سے ہدایت ملی تھیں کہ مولوی فرید احمد کا نام تک شائع نہیں ہونا چاہئے۔ مجھے یہ معلوم کر کے افسوس بھی ہوا۔ مجھے یہ تو معلوم تھا کہ اس وقت کے گورنر اور مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر ٹکا خان اور مولوی صاحب کے درمیان اندر ہی اندر سرد جنگ چل رہی تھی اور ٹکا خان اپنے حلقے میں مولوی صاحب کو CAPMAD یعنی پاگل کے نام سے یاد کرتے تھے لیکن مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ قومی تاریخ کے اس سنگین موڑ پر جب کہ ایک ایک محب الوطن پاکستانی ایک قیمتی اثاثہ تھا ٹکا خان مولوی فرید احمد جیسے عظیم محب وطن کا تذکرہ تک برداشت نہیں کرتے تھے۔ میں نے صوبائی سیکرٹری اطلاعات ڈاکٹر ارشد الزمان خان سے رجوع کیا تو انہوں نے بھی کے۔ جی مصطفیٰ کی اطلاع کی تائید و توثیق کی تو مجھے صدمہ بھی ہوا۔ مولوی صاحب سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات ہوئی تو انہوں نے زہر خند کے ساتھ کہا:

ہوتا رہا یوں ہی اگر انجام وفا کا
لے گا نہ زمانے میں کوئی نام وفا کا

مولوی صاحب متحدہ بنگال کی مسلم لیگ کے سیکرٹری مولانا ابو الہاشم کی پیروی میں سبز چائے میں دودھ کی آمیزش بھی کرتے تھے۔ مولوی صاحب اس وقت اپنے رفیق کار کے ہمراہ بیٹھے ہوئے اس چائے سے شغل کر رہے تھے' میں نے گزارش کی ..... مولوی صاحب! سبز چائے میں دودھ کی آمیزش؟

مولوی صاحب نے جواب دیا یہ ہمارے مولانا ابو الہاشم کی چائے ہے کانگریس کے مولانا ابوالکلام

آزاد کی نہیں' تو مولوی صاحب اس حد تک انتہا پسند تھے۔ میں نے جب ان کی توجہ ان کی تقریر کے بلیک آؤٹ کی طرف دلاتے ہوئے ان سے تبصرہ کرنے کے لئے کہا تو انہوں نے کہا میں نے جو شعر سنا دیا ہے وہی کافی ہے۔ اب کوئی اور بات کرو۔ میں نے مولوی صاحب سے ٹکا خان کی ناراضی کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا ہم نے اس کی پریس کانفرنس پر اعتراض کیا تھا۔ "کس پریس کانفرنس پر"۔

"وہی پریس کانفرنس جس میں اس نے کہا ہمیں زمین چاہئے بنگالی نہیں"۔

"اوہ"..... تو یہ بات ہے..... میرے منہ سے بہ مشکل یہ الفاظ نکل سکے۔

مولوی صاحب ہنس کر کہنے لگے ..... ہاں ..... یہی بات ہے۔

اس وقت مشرقی پاکستان میں سخت ترین مارشل لاء لگا ہوا تھا۔ ڈھاکہ دن کے وقت بھی سنسان تھا۔ نواب پور روڈ' صدر کھاٹ اور جناح ایونیو کا علاقہ جو رات کے دو بجے تک جگمگ کرتا رہتا تھا دوپہر کے وقت بھی اداس اور ویران دکھائی دیتا تھا۔ نہ جانے ہزاروں سائیکل رکشہ اور لاکھوں لوگ کہاں چلے گئے تھے۔ مولوی صاحب کے بقول زیادہ تر لوگ اپنے اپنے گاؤں چلے گئے تھے۔ دکانیں زیادہ تر بند رہتی تھیں۔ اکا دکا ریستوران کھلے رہتے تھے لیکن ان میں گاہکوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ سینما ہاؤس میں زیادہ تر دن کے شو ہوا کرتے تھے۔ شہر میں رہائش پذیر لوگ زیادہ تر اپنے وفا تر یا اپنے گھروں تک محدود تھے۔ سماجی تقریبات ختم ہو کر رہ گئی تھیں۔ ملنے ملانے کے شوقین حضرات انٹرکان کی لابی یا کیفے روم کے پھیرے لگایا کرتے تھے۔ سیاسی سرگرمیاں بھی اس ہوٹل تک محدود تھیں وہ بھی اس وقت جب مغربی پاکستان سے کوئی سیاستدان آتا تو اخبارات والے خبروں کے لئے پہنچ جاتے۔ پریس کانفرنسوں میں تو محتاط ترین لفظوں میں نوک جھونک ہوتی' اخبار نویس اور سیاستدان ابن صفی کے بقول "سنجیدہ خان محتاط" بنے ہوئے تھے۔ وہی شہر جہاں آئے دن جلوس نکلا کرتے تھے اور جلسے منعقد ہوا کرتے تھے' فٹ پاتھوں پر مجمع بازوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی وہاں اب لوگ قدموں کی آواز تک سننے کو ترس گئے تھے۔ ملوں کی چمنیاں خاموش اور پرسکون تھیں' نہ دھواں نکلتا تھا اور نہ سائرن کی آواز آتی تھی۔

اس کٹھن سناٹے میں مولوی فرید احمد کی ذات غنیمت تھی۔ وہ کبھی کبھار جلسوں اور پریس کانفرنسوں کے ذریعے دلوں کا غبار نکالنے کا سامان کرتے رہتے تھے۔ وہ بہت کچھ بتایا کرتے تھے لیکن مشرقی پاکستان کے اخبارات میں ان کے بیان کی ایک دو سطریں وہ بھی کبھی کبھار شائع ہوا کرتی تھیں اور وہ بھی اوپر والوں کی منظوری کے بعد..... اور آل انڈیا ریڈیو سے مسلسل زہر افشانی ہو رہی تھی۔ کلکتہ ریڈیو نے ۲۱/ مئی کی تقریب میں مولوی صاحب کی تقریر پر پابندی کو اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا جس سے محب الوطن حلقوں میں اضطراب بھی پھیلا۔ اکثر لوگوں کے ذہنوں میں بھی یہ شبہ پیدا ہوا کہ شاید کلکتہ ریڈیو درست کہہ رہا ہے ورنہ مولوی صاحب کی تقریر پر پابندی چہ معنی ہے؟

## ۲۷ جون ۱۹۷۱ء

رنگ پور میں گرلز کالج کے گراؤنڈ میں ایک جلسہ عام ہوا۔ اس جلسے کا اہتمام مقامی مسلم لیگ نے کیا تھا۔ جلسہ سے قومی اسمبلی کے سابق ڈپٹی سپیکر ابوالقاسم خان اور مولوی فرید احمد نے خطاب کیا۔ مقامی مقررین بھی تھے لیکن اصل تقریر ابوالقاسم صاحب اور مولوی فرید کی تھی اور لوگ انہی کو سننے کے لئے جمع ہوئے تھے۔ مولوی فرید احمد نے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا.....

میں جانتا ہوں..... میری تقریر اخبار والے نہیں چھاپیں گے اس لئے میں آپ لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ اوپر بادلوں کے اوپر کچھ سازشیں ہو رہی ہیں۔ ہمارے خلاف' آپ کے خلاف اور ان سب لوگوں کے خلاف جنہوں نے پاکستان بنایا تھا۔ ہوشیار..... ہوشیار..... ہوشیار

اس تقریر میں یہ مولوی صاحب کے آخری الفاظ تھے کیونکہ اس کے بعد وہ اپنی تقریر جاری نہ رکھ سکے' ان کی آواز بھر آئی اور وہ بلک بلک کر ایک بچے کی طرح رونے لگے..... یہی حال حاضرین کا تھا۔

جلسے سے قبل یہ افواہ پورے شہر میں پھیلی ہوئی تھی کہ جلسہ گاہ کو بم سے اڑا دیا جائے گا۔ چنانچہ جلسہ سے قبل جلسہ گاہ اور سٹیج کی بھرپور تلاشی لی گئی۔ مشکوک افراد پر کڑی نظر رکھی گئی..... اس لئے جلسہ بخیر و خوبی ختم ہوا۔ جلسے کے بعد مولوی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا..... "وقت بہت کم رہ گیا ہے"..... میں نے گزارش کی ..... کس چیز کے لئے؟ جواب ملا۔ "پاکستان کو بچانے کے لئے" میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا..... پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ اس کے جواب میں مولوی صاحب چپ ہو گئے۔ وہ کافی دیر خلا میں گھورتے رہے۔ ان کی داڑھی اور سر کے بالوں میں اچھی خاصی سفیدی آ چکی تھی..... شاید وہ میرا خیال بھانپ چکے تھے۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قومی اسمبلی کا اجلاس نہیں ہو گا خضاب نہیں لگاؤں گا۔ میں نے ان سے کہا اس کا مطلب ہے کہ آپ کے بال بہت پہلے سفید ہو چکے تھے؟ جواب ملا..... جی ہاں..... ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کے بعد جب سہروردی صاحب پر ایبڈو لگا تو میں سمجھ گیا کہ پاکستان میں اب جمہوریت اور استحکام چند دنوں کے مہمان ہیں اور جب فاطمہ جناح کو شکست دی گئی تو مجھے پاکستان کی سلامتی مشکوک دکھائی دینے لگی۔ مولوی صاحب نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

## ۱۱ جولائی ۱۹۷۱ء

سلہٹ میں شاہ جلال کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔ شاہ جلال اسم بامسمی تھے۔

مولوی فرید احمد کی روایت کے مطابق انہوں نے ۱۹۴۵ء کے رمضان المبارک کی ۲۶ ویں شب کو خواب میں حضرت شاہ جلال کی زیارت کی سعادت حاصل کی..... شاہ جلال نے انہیں حکم دیا: "فرید تم فرید احمد ہو۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے کیوں بیٹھے ہو..... ایک بہت بڑا اسلامی ملک بننے والا ہے۔ جاؤ اور جناح کے قافلے میں شامل ہو جاؤ..... تم پاکستان بنانے کے لئے ایک سو قدم چلو گے تو جنت تمہارے خیر مقدم کے لئے ایک لاکھ فرلانگ کا فاصلہ طے کرے گی"..... مولوی صاحب نے بتایا کہ جب میری آنکھ کھلی تو میرے ہوسٹل کے کمرے میں خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ میرے روم میٹ کی آنکھ بھی کھلی ہوئی تھی اور شاید خوشبو نے اسے بیدار کر دیا تھا۔ میرا کمرہ اس کے بعد بھی اس خوشبو سے مہکتا رہا۔ میں نے کلمہ شہادت پڑھ کر وضو کیا اور شکرانے کے نفل ادا کئے۔ اس وقت صبح کے چار بجے تھے۔ سحری کا وقت ہو چکا تھا میں نے سحری کھائی اور روزے کی نیت کر کے کلکتہ روانہ ہو گیا۔

**میں نے حکمرانوں سے کہا..... "مجھے مجیب سے ملا دو میں اس کے قدموں میں اپنی ٹوپی رکھ کر کہوں گا کہ خدا کے لئے مفاہمت کر لو!"**

شاہ جلال کے مزار کے احاطے میں مولوی فرید احمد بڑے جذباتی انداز میں اپنا خواب سنا رہے تھے۔ پاکستان تو شاہ جلال کے حکم کی تعمیل ہے' یہ ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اسے توڑنے والے خود ٹوٹ جائیں گے۔ ان کے ارد گرد پندرہ بیس افراد تھے جو سب کے سب مقامی تھے۔ ایک میں تھا جس کا تعلق مغربی پاکستان سے تھا۔ وہاں مولوی صاحب اردو ہی میں اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔ مجھے خوش فہمی ہوئی کہ شاید یہ مولوی صاحب صرف اس ناچیز کے لئے یہ اعزاز دے رہے ہیں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ سلہٹ میں اردو یا فارسی بولتے ہیں۔ سب حضرات مولوی صاحب کی باتوں پر سر دھن رہے تھے اور سبحان اللہ' سبحان اللہ کی گردان کر رہے تھے۔

نے ہمیں صحیح راستے پر چلایا .... پھر انہوں نے ہنستے ہوئے کہا ہماری حالت تو اس شخص کی تھی جس نے کہا تھا۔

اللہ رے قدرت جناح رے شان
شوکلے اٹھلم ویکھلم پاکستان

یعنی یہ اللہ کی قدرت اور جناح کی شان تھی کہ صبح سو کر اٹھے تو پاکستان بن چکا تھا۔ مولوی صاحب کہے جا رہے تھے یہ پاکستان ایک دن میں نہیں بنا۔ اس کے لئے اس دن سے جنگ شروع ہو چکی تھی جس دن محمدی بیگ نے سراج الدولہ کو قتل کیا تھا' پھر تیتو میر نے شہادت کا جام نوش کیا اور ان کے ساتھ ہزاروں مجاہدین شہادت کے سفر پر روانہ ہوئے۔ ٹیپو سلطان پھر شہزادہ جواں بخت' پھر سید احمد شہید اور اسمٰعیل

ہو رہا تھا۔ لطیفے ہو رہے تھے' شعر و شاعری ہو رہی تھی۔ علامہ وحشت کلکتوی کے کمالات کا ذکر خیر ہو رہا تھا۔ مولوی صاحب کے دل میں نہ جانے کیا بات آئی کہ انہوں نے گفتگو کا موضوع ہی بدل دیا۔ کہنے لگے دیکھو میرے بھائیو! سقراط بھی عجیب چیز تھا' کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس نے بغیر سوچے سمجھے زہر کا پیالہ پی لیا تھا' اگر پندرہ سال پہلے اسے زہر کا پیالہ دیا جاتا تو پیالہ دینے والے کے منہ پر دے مارتا لیکن جب وقت پیالہ پیش کیا گیا تو وہ اپنی زندگی کی توانائیوں سے بہت کچھ حاصل کر چکا تھا اور اب چل چلائی کا وقت بہت قریب تھا۔ وہ فلسفی تھا اس نے سوچا کہ زندگی کے ایک دو سال اور آنے ہیں انہیں قربان کر کے حیات ابدی کیوں نہ حاصل کر لی جائے چنانچہ اس نے زہر کا پیالہ پی لیا جو اس کے لئے آب حیات ثابت ہوا۔ اس نے اپنی زندگی کے چند لمحوں کی بازی لگا کر زندگی حاصل کر لی لیکن ہر شخص ایسا خوش قسمت کہاں کہ اسے زندگی کے آخری ایام میں کلمہ شہادت کی ادائیگی کا موقع ملے۔

## ٹکا خان نے مولوی فرید کی تقریر اور بیانات کی اشاعت پر پابندی لگا دی

### ۲۱ جولائی ۱۹۷۱ء

چٹاگانگ میں ایک جگہ ہے خاتون گنج۔ خاتون گنج جدید و قدیم کا امتزاج ہے یہاں زیادہ تر سونے کا کاروبار کرنے والے یعنی صراف حضرات رہائش رکھتے ہیں۔ صرافوں میں پڑھے لکھے بھی خاصے ہیں اور وہ سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیتے ہیں۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جو کسی نہ کسی سیاسی جماعت کا رکن نہ ہو اور اپنی اپنی جماعتوں کے جلسوں کو کامیاب بنانے کے دامے درمے سخنے حصے لیتے ہیں۔ جماعت اسلامی' مسلم لیگ' انجمن مہاجرین' نظام اسلام پارٹی اور عوامی لیگ کے ہمدردوں اور کارکنوں کی اچھی خاصی تعداد خاتون گنج کے صرافوں کی تھی۔ اس میں ایک سعید الزماں ٹھیکیدار کے مکان کی بالائی منزل اور گنجی بنیان میں ملبوس مولوی صاحب صوفے آلتی پالتی پر مارے بیٹھے تھے۔ ننھے میاں کا پارلیمانی نظام سید عزیز الحق اور موہن میاں کا یوسف چوہدری تھا۔ ان کے ساتھ ننھے میاں اور موہن میاں تشریف فرما تھے۔ ننھے میاں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا .... تمہارے ماموں (شیر بنگال اے کے فضل الحق) نے تو اس وقت مسلم لیگ کو چھوڑ دیا تھا جب منزل قریب تھی اور میں اس وقت شامل ہوا۔ پاکستان بنانے کے لئے تمہارے ماموں اور جی ایم سید کی قربانیوں کا کوئی شمار نہیں لیکن تمہارے ماموں اور جی ایم سید کی بدقسمتی یہ تھی کہ وہ منزل کے قریب آ کر گمراہ ہو گئے اور یہ اللہ کا ہم جیسے گناہگاروں پر احسان ہے کہ اس

شہید نے کلمہ شہادت پڑھا۔ کلمہ شہادت پڑھنے کا مزا تو اس وقت ہے جب گردن تلوار کی زد میں ہو اور پھر یہ کلمہ پڑھا جائے۔ پھر انہوں نے بلند آواز میں آمین کہا۔ ہم سب خاموش بیٹھے رہے۔ سید الزماں ٹھیکیدار نے مولوی صاحب کی طرف دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔ انہوں نے اگلے دن مجھے ناشتے کے بعد بتایا مولوی صاحب کی آنکھوں میں مجھے شاہ جلال کی شبیہہ دکھائی دی تھی۔

### ۲۹ جولائی ۱۹۷۱ء

مسلم ہوٹل کھلنا اور ہفت روزہ "قوم" کے مالک و مدیر ایم سلیم مزے کے آدمی تھے۔ خوبصورت' وجیہ و شکیل اور شعر و ادب کا شوق ان کی گھٹی میں پڑا تھا۔ ادیبوں' شاعروں' خبار نویسوں اور سیاستدانوں کے لئے ہمیشہ چشم براہ رہتے تھے۔ سلیم ہوٹل ہو یا ڈھاکہ میں ڈبلیو اے انصاری کی قیام گاہ' جھوم جھوم کر شعر سناتے تھے' تقریریں کرتے تھے اور پھر لکھتے بھی تھے۔ مولوی فرید احمد سے انہیں بڑی عقیدت تھی' خود انجمن مہاجرین مشرقی پاکستان کے روح رواں تھے لیکن تعلقات سب سے استوار رکھتے تھے۔ ہوٹل کے کمرہ نمبر ۶ میں مولوی فرید احمد کے سامنے سید پور کے سید اصغر احمد ہاشمی (اب جن کو دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں) دیوان عبدالباسط' سید فیض احمد اور اخلاق احمد انصاری تشریف فرما تھے۔ راقم گوشہ میں بیٹھا ہوا ان سب کی باتوں سے محظوظ

### ۸/ اگست ۱۹۷۱ء

سعدی صاحب! اگر ۱۴/ اگست کا جلسہ کامیاب نہیں ہوا تو ہمارے دشمن یہی کہیں گے کہ مشرقی پاکستان میں کوئی بھی پاکستانی نہیں رہا۔ مولوی صاحب اپنے رفیق کار اے ٹی سعدی ایڈووکیٹ سے کہہ رہے تھے۔

لیکن آپ جانتے ہیں حکومت اجازت نہیں دے رہی ہے' حکمرانوں کا خیال ہے کہ اس جلسے کو بم سے اڑا دیا جائے گا۔

"پھر کیا ہو گا" مولوی صاحب نے سوال کیا۔

لوگ بھاری تعداد میں مارے جائیں گے۔ سعدی صاحب نے جواب دیا۔

ہو سکتا ہے ان کا خیال درست ہو لیکن کیا موت کے خوف سے پیدائش بند ہو جاتی ہے؟ نہیں۔ لیکن آپ کا مطلب کیا ہے؟

یہی کہ لوگ مرتے ہیں اور پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی اور موت کا ایک مقصد ہوتا ہے جو قوم مقصد کے لئے جان دینے کی ہمت نہیں رکھتی اسے دنیا میں زندہ رہنے کا حق نہیں۔ ہم یہ جلسہ ہر حال میں کریں گے چاہے کوئی ہمیں اس کی اجازت دے یا نہ دے۔ غضب خدا کا .... پاکستان میں ہی ہم پاکستان کا یوم آزادی منانے کی سعادت سے محروم ہیں۔ نہیں۔ سعدی صاحب یہ جلسہ ضرور ہو گا ہر حال میں ہو گا۔

مجھے اسی شام اے ٹی سعدی صاحب نے یہ روداد سنائی۔ میں ان سے ۱۴/اگست کے پروگرام کے بارے میں اپنے اخبار کے لئے معلومات حاصل کرنے گیا تھا' انہوں نے بتایا مولوی صاحب ہر حال میں جلسہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ خدا کے لئے تم اس مسئلہ پر مارشل لاء والوں سے رابطہ قائم کرو۔ میں نے سعدی صاحب کے حکم پر میجر صدیق سالک سے رابطہ قائم کیا۔ سالک صاحب ایم ایل اے کے پی آر او تھے اور مارشل لاء کے ایوان میں اخبار نویسوں کے لئے ایک مضبوط ڈھال بھی تھے۔ میں نے جب انہیں حالات کی سنگینی سے آگاہ کیا تو وہ فوراً اپنے افسرِ اعلیٰ سے رجوع کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ غالباً انہوں نے میجر جنرل فرمان علی خان کو اپنی مدھم مسکراہٹ کے جادو سے مسحور کر کے پلٹن میدان میں جلسہ عام کی اجازت دلوا دی۔ میں نے جب مولوی صاحب کو اس کی اطلاع دی تو وہ اس طرح خوش ہوئے جیسے انہیں پاکستان کا پہلا یوم آزادی منانے کی سعادت ملی ہو۔

**۱۴/ اگست ۱۹۷۱ء**

**اللہ رے قدرت جناح رے شان' شوکلم اٹھلم ویکھلم پاکستان**

**یہ اللہ کی قدرت اور جناح کی شان تھی کہ صبح سو کر اٹھے تو پاکستان بن چکا تھا**

پلٹن میدان میں تاریخ کا مختصر ترین جلسہ عصر کی اذان کے وقت شروع ہوا۔ جلسہ سے قبل پورے میدان کی بھرپور تلاشی لی گئی۔ مسجد کے اندر نمازی اور سول آرمڈ فورسز کے نوجوان زیادہ تعداد میں تھے۔ سینکڑوں پولیس والے سی اے ایف والے مستعد کھڑے تھے۔ پلٹن میدان کے باہر والے فٹ پاتھ پر اور جناح ایونیو کی عمارتوں پر بھی مقامی پہرے کا زبردست انتظام کیا گیا تھا۔ جلسہ گاہ میں آنے والوں کی بھی تلاشی لی گئی تھی۔ جلسہ میں زیادہ لوگ بھی آ سکتے تھے..... پلٹن میدان سے نواب پور روڈ اور چوک بازار کا علاقہ زیادہ دور نہیں تھا لیکن یہ علاقہ شیخ مجیب الرحمٰن اور خواجہ خیر الدین کا حلقہ انتخاب تھا۔ ان دنوں مجیب الرحمٰن کے حامیوں کی اس جلسہ گاہ میں آمد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن خواجہ صاحب کے پیروکار آ سکتے تھے لیکن وہ بوجوہ نہ آ سکے۔ جلسہ گاہ میں محمد پور اور میرپور سے بھی کم کم لوگ آئے کیونکہ انہیں واپسی پر ٹرانسپورٹ ملنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ ان دنوں بسیں' سائیکل رکشہ اور موٹر رکشے سرِشام ہی بند ہو جاتے تھے۔ جلسہ میں زیادہ تر یتیم خانہ کے طلبہ آئے تھے وہ جلوس میں شکل میں آئے تھے۔ جناح ایونیو کے سامنے والے فٹ پاتھ پر کافی تعداد میں لوگ کھڑے تھے لیکن وہ جلسہ گاہ میں نہیں آ رہے تھے۔ اسٹیڈیم کے برآمدے میں اکا دکا دکانیں کھلی ہوئی تھیں جن میں "لب معشوق گلوریاں" والی دکان قابل ذکر ہے۔ بیت المکرم کے بغلی صحن میں بھی کچھ لوگ موجود تھے۔ باہر کھڑے ہوئے لوگوں میں ایک قدر مشترک تھی اور وہ یہ کہ ان کی آنکھوں میں تجسس اور خوف و ہراس کی ملی جلی کیفیت تھی۔ چوک بازار' نواب پور روڈ اور محمد پور کو خوب سجایا گیا تھا۔ ان آبادیوں میں دکانیں اگرچہ کھلی تھیں لیکن گھریلو سودا سلف خریدنے والوں کی اکثریت تھی۔ میں نے جلسہ شروع ہونے سے قبل سائیکل رکشہ میں شہر کے قابل ذکر علاقوں کا چکر لگایا تھا۔ ایک بات میں نے خاص طور پر محسوس کی کہ سنیماؤں میں ایسی انگریزی فلموں کی نمائش کی جا رہی تھی جن میں تخریب کاری کے مناظر تفصیل کے ساتھ دکھائے جا رہے تھے۔ ان دنوں جناح ایونیو کے علاوہ نیو مارکیٹ اور موتی جھیل کے ایک سنیما میں "دی ٹرین" کی نمائش ہو رہی تھی اور اس میں کافی رش تھا اور اسے سوئے اتفاق نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ ان دنوں میمن سنگھ کے قریب ایک ٹرین دھماکے سے اڑا دی گئی تھی۔ مشرقی پاکستان ان دنوں افواہوں' دھماکوں اور گرفتاریوں کی زد میں تھا۔

مشرقی پاکستان میں پاکستان کے آخری یوم استقلال کے سلسلے میں منعقدہ جلسہ شروع ہوا تو حاضرین کی تعداد چند سو سے زیادہ نہیں تھی۔ یہ عجیب بات ہے کہ غیروں سے زیادہ اپنے حاضرین کی قلیل تعداد کا مذاق اڑا رہے تھے۔

تلاوت کے بعد اے ٹی سعدی ایڈووکیٹ اور ان کے بعد مولانا نور الزمان نے تقاریر کیں۔ مولانا بھی ابتدا میں بھٹو کے چکر میں آ گئے تھے اور مشرقی پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین بھی مقرر کر دیئے گئے تھے لیکن وہ جلد ہی اس چکر سے نکل آئے۔ ان کے بعد انہیں پورے مشرقی پاکستان میں ایک فرد بھی ایسا نہ ملا جو اس پارٹی کی نمائندگی کر سکتا۔ بالآخر دو بہاری حضرات ہی قربانی کا بکرا بننے پر آمادہ ہوئے' ان میں سے ایک صاحب تو سقوط کے بعد مکتی باہنی کی گولیوں کا نشانہ بنے دوسرے صاحب پاکستان آنے میں کامیاب ہوئے لیکن بھٹو نے ان کی اشک سوئی تک کرنے کی زحمت گوارا نہ کی اور اب پیپلز پارٹی ہی بہاریوں کی پاکستان آمد کی مخالف ہے بلکہ کٹر مخالف ہے۔

بہرحال بات جلسے کی ہو رہی تھی۔ مولانا نور الزمان کے بعد مولوی فرید احمد نے تقریر شروع کی تو اس وقت پلٹن میدان کے عقب میں واقع مسجد میں کچھ ہلچل ہوئی تو مولوی صاحب نے کہا میں جانتا ہوں یہ کون لوگ ہیں اور میں ان کی خبر لینا بھی جانتا ہوں۔ مولوی صاحب کے ان الفاظ کے بعد ہلچل ختم ہو گئی۔ مولوی صاحب نے اپنی تقریر میں تحریک پاکستان کے ابتدائی دنوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ پاکستان بنگال کے مسلمانوں نے بنایا ہے۔ مسلم لیگ بنانے کے لئے کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی تو ڈھاکہ مسلم لیگ بنائی گئی۔ پاکستان کے لئے سب سے زیادہ ووٹ بنگال کے مسلمانوں نے دیئے۔ ڈائریکٹ ایکشن ڈے میں اگر کلکتہ کے مسلمانوں کا خون نہ بہتا تو ہرگز انگریز اور ہندو قائد اعظم کے سامنے سرنڈر نہ ہوتے۔ آج بنگال ہی کو پاکستان توڑنے کا ذریعہ بنایا جا رہا ہے۔ مولوی صاحب نے اپنی تقریر کے آخر میں کہا: میں آپ سب کو یاد دلاتا ہوں کہ جب پاکستان قائم ہوا' اللہ کی رحمت سے یہ ملک ۲۶ اور ۲۷ رمضان کی درمیانی شب کو قائم ہوا یعنی پاکستان اس رات قائم ہوا جس رات قرآن نازل ہوا یہ ایک غیبی اشارہ تھا کہ پاکستان کیوں قائم ہوا اور اسے کن مقاصد کے لئے کام کرنا ہے لیکن ہم نے اپنا یوم منانے کے لئے اللہ کی دی ہوئی تاریخ کو ٹھکرا کر انگریزوں کی دی ہوئی تاریخ ۱۴/اگست کو اپنا لیا اور اس طرح عوام کے ذہنوں سے تحریک پاکستان کے مقاصد کو کھرچنے کی کوشش پہلے ہی دن سے شروع کر دی تھی۔ چنانچہ اللہ نے بار بار ہمیں وارننگ دی لیکن ہم باز نہ آئے۔ اس لئے امن و سکون ہم سے روٹھ گیا۔ اللہ نے قرآن میں کہا ہے کہ ہم جس قوم پر عذاب نازل کرنا چاہتے ہیں اس میں پھوٹ ڈالتے ہیں ہم جو بمبئی تا خیبر اور کراچی سے گوہاٹی تک ایک تھے اب ڈھاکہ سے کاکسز بازار تک بھی ایک نہیں ہیں۔ ذرا سوچئے تو یہ کیا ہے؟ یہ خدا کا عذاب نہیں تو اور کیا ہے۔ ہم اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی عزت و آبرو کے دشمن بن چکے ہیں۔ یاد رکھو جب کسی قوم میں انتظار پھیل

جائے تو پھر سمجھ لو کہ وہ قوم عذاب الٰہی میں گرفتار ہے۔

مولوی صاحب نے اعلان کیا کہ..... اگر زندہ رہے تو آئندہ ہم یوم استقلال ۱۴/ اگست کی بجائے ۲۷ رمضان کو منائیں گے' پھر انہوں نے نعرہ لگایا۔ اگست ہمیں پست' رمضان حوصلے جوان۔

جلسے کے بعد مولوی صاحب کی رہائش گاہ پر تلاوت ہوئی میں نے دریافت کیا۔ مولوی صاحب آپ نے کون سا نعرہ بلند کیا ہے؟

مولوی صاحب نے جواب دیا شاہ جلال کل پھر میرے خواب میں آئے تھے اور انہوں نے مجھے حکم دیا تھا۔ فرید جاؤ لوگوں کو بتاؤ کہ اللہ ان سے ناراض ہے کیونکہ وہ ۲۷ رمضان کی بجائے ۱۴/ اگست کے دیوانے ہیں۔ میں نے حضرت شاہ جلال کے حکم کی تعمیل کی ہے۔

## ۷ / نومبر ۱۹۷۱ء

۱۴ / اگست کے بعد ۷ نومبر کو مولوی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اس دوران مولوی صاحب زیادہ مغربی پاکستان میں رہے۔ ضمنی انتخابات میں وہ ایک حلقے سے کامیاب ہو گئے تھے لیکن وہ مطمئن نہیں تھے۔ ۷ نومبر کو انہوں نے اپنی کتاب SUBBEHIND CLOUDS (سب بی ہائینڈ کلاؤڈز) کی رونمائی کے سلسلے میں اپنی رہائش گاہ پر ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ یہ پریس کانفرنس بڑی عجلت میں طلب کی گئی تھی۔ اخباری رپورٹوں کو فون پر شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ مولوی صاحب نے رپورٹروں کو ایک ایک جلد بطور تحفہ پیش کی۔ نومبر میں حالات زیادہ سنگین صورت اختیار کر چکے تھے' اگرچہ ڈاکٹر عبدالمطلب صوبے کے گورنر مقرر کر دیئے گئے تھے لیکن سب جانتے تھے کہ اصل اقتدار کس کے پاس ہے۔ میجر جنرل راؤ فرمان علی خان اہم امور کے بارے میں فیصلہ کرتے تھے اگرچہ ان فیصلوں کو گورنر ہی سے منسوب کیا جاتا ہے لیکن عوام جانتے تھے کہ گورنر صاحب اپنی میز کے ساتھ جائے نماز بچھا کر عبادت ہی کر سکتے ہیں یا کاغذ پر دستخط کر سکتے ہیں' چنانچہ سب سے پہلے میں نے ان سے سوال کیا۔ مولوی صاحب! آخر حالات معمول پر کیوں نہیں آ رہے ہیں جبکہ اقتدار بھی گورنر کے پاس ہے؟

مولوی صاحب یہ سوال سن کر زور سے ہنسے "بھائی تم کیوں مجھے بعض لوگوں سے لڑانا چاہتے ہو؟"۔

اس میں لڑائی کی کونسی بات ہے یہ تو ایک سیدھا سادا سا سوال ہے؟ میں نے گزارش کی۔

کوئی اور سوال کرو۔ مولوی صاحب نے ہنس کر کہا....

کوئی بھی سوال: مولوی صاحب نے جواب دیا۔ پھر آپ کہیں گے کہ مجھے لڑوانا کیوں چاہتے ہو؟

اگر اب کوئی ہوا تو ضرور یہ کہوں گا۔ تم بے ضرر سوال کیوں نہیں کرتے؟

چلئے یہی بتا دیجئے کہ مغربی پاکستان کا دورہ کیسا رہا؟

مولوی صاحب نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ کسی کو یہ احساس ہی نہیں کہ مشرقی پاکستان میں کیا ہو رہا ہے۔ وہ تو یہ سوچ رہے ہیں... اپنی بات ادھوری چھوڑ کر وہ چپ ہو گئے۔ کوئی اور سوال کرو۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے کہا۔

مولوی صاحب میں نے بھنا کر کہا۔ آپ سیاست دان ہیں آخر آپ سے کیسے سوال کئے جائیں؟

**ڈھاکا کے سینماؤں میں ایسی انگریزی فلموں کی نمائش ہو رہی تھی جن میں تخریبی کارروائیوں کو نمایاں طور پر دکھایا گیا تھا**

یہ آف دی ریکارڈ ہے... مولوی صاحب نے آخر زچ ہو کر کہا۔ وہ تو یہ سوچ رہے ہیں کہ مشرقی پاکستان جتنی جلد الگ ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔

وہ سے آپ کی کیا مراد ہے؟ میں نے جرح کی۔

وہ سے مراد مغربی پاکستان کی قیادت ہے۔ میں نے ان سے کہا آپ مجھے مجیب سے ملا دیں میں اس کے پاؤں پر اپنی ٹوپی رکھ کر کہوں گا کہ مفاہمت کر لو۔

انہوں نے کیا جواب دیا؟

کیا تم جاننا چاہتے ہو کہ انہوں نے کیا جواب دیا۔

جی ہاں۔

انہوں نے کہا کسی کی مجال نہیں ہے کہ مشرقی پاکستان پر قبضہ کر لے۔ مولوی صاحب! آپ کی ٹوپی مشرقی پاکستان سے زیادہ مقدس ہے۔ ہم ہرگز یہ توہین برداشت نہیں کریں گے۔ اس لئے اس سے ملاقات کا کوئی فائدہ نہیں۔

کیا عام لوگ بھی یہی سوچتے ہیں۔ انہیں کوئی صحیح خبر نہیں ملتی اور اگر بی بی سی سے کوئی خبر ملتی بھی ہے تو اس کا اثر نہیں ہوتا کیونکہ لوگ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں بی بی سی کی دروغ گوئی کا تلخ تجربہ کر چکے ہیں' البتہ خاص لوگوں کو معلوم ہے کہ مشرقی پاکستان میں کیا ہو رہا ہے اور وہ اس سے مطمئن ہیں۔

پھر آپ نے کیا سوچا؟

وہی....!

"وہی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ اس کا مطلب ہوا؟

وہی۔ یعنی کلمہ شہادت!

## ۱۵ / دسمبر ۱۹۷۱ء

ایک روز قبل گورنر ہاؤس پر بمباری ہو چکی تھی۔ گورنر سمیت تمام اعلیٰ عہدیدار انٹر کانٹی نینٹل میں منتقل ہو چکے تھے۔ جنرل نیازی نے غیر ملکی اخباری نامہ نگاروں سے ہوٹل کے دروازے پر خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ بھارتی ٹینک میری لاش پر سے گزر کر ڈھاکہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ جب کہ یہ بات ہر کس و ناکس کو معلوم تھی کہ بھارتی توپ خانہ زائچ گنج پر گولہ باری کر رہا ہے۔ شہر میں سناٹا چھایا تھا۔ وہاں خوب چہل قدمی تھی۔ بنگلہ دیش کے جھنڈے لہرائے جا رہے تھے اور مٹھائیاں تقسیم ہو رہی تھی لیکن مٹھائیاں تقسیم کرنے والوں پر اس کا کوئی اثر نہیں تھا اور نہ مٹھائی کھانے والے اس سے متاثر تھے۔ شہر میں فوج اور پولیس کی گشت صبح ہی سے ختم ہو چکی تھی۔ سرکاری کرفیو نافذ تھا لیکن کسی کو اس کی پرواہ نہیں تھی۔ میں شام ہونے سے قبل ہی اپنے گھر واپس آ گیا تھا' ابھی میں گھر پہنچا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

ہیلو۔ السلام علیکم۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔

جی جناب وعلیکم السلام

میں صاحب! خیریت تو ہے آپ کی آواز بدلی ہوئی ہے۔

اب تو نقشہ ہی بدلنے والا ہے تم آواز کی بات کرتے ہو' لیکن میرا دل نہیں بدلا۔

کیا خبریں ہیں۔ میں نے ایک رسمی سا سوال اس امید میں کیا کہ شاید کوئی حوصلہ افزا جواب ملے۔

ایک ہی خبر ہے اور تم خوب جانتے ہو کہ وہ کیسی ہے۔

حالات کا رخ موڑنے کا ارادہ بدل گیا۔ میں نے سوال کیا۔

حالات موڑنے کی کوشش وہاں کی جاتی ہے جہاں کوئی چاہتا ہو۔ اب تو ایک خواہش کے سوا تمام خواہشات ختم ہو چلی ہیں مولوی صاحب کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

کون سی خواہش؟ میں نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"کلمہ شہادت"۔ جب انسان بے بس' معاشرہ بے حس اور ضمیر کی لاش سے سڑنے کی بدبو آنے لگے تو ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے اللہ کی رحمت طلب کرنے کا۔ مولوی صاحب نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

**۱۶/ دسمبر ۱۹۷۱ء**

گزشتہ شام ڈھاکہ کے آسمان پر جو سیاہ بادل چھائے تھے ان کا رنگ اور گہرا ہو گیا تھا۔ دن جمعرات کا تھا' جمعہ کو تمام شہر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ بھارت کے طیارہ بردار جنگی جہاز "وکرنت" کو خلیج بنگال سے دور تباہ کر دیا گیا ہے تو محمد پور اور میر پور کے علاقہ میں لوگوں نے بے تحاشہ فائرنگ کی تھی۔ یہ خوشی کی فائرنگ تھی جس سے لال مٹیا اور دھان منڈی کی بنگالی آبادی کے لوگ سہمے ہوئے تھے۔ آج معاملہ برعکس تھا۔ فائرنگ کی آواز پڑوس کی آبادیوں سے آ رہی تھی اور محمد پور کے لوگ خوف زدہ بلکہ دہشت زدہ تھے۔ پاک فوج کے جوان مختلف چوکیوں پر تعینات تھے۔ برق رفتاری کے ساتھ اپنی جیپوں میں علی الصبح ہی کو چھاؤنی کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ پی آئی اے اور دوسرے سرکاری ملازموں کو بھی ہدایت دی گئی تھی کہ وہ چھاؤنی سے چلے جائیں۔ سہ پہر تین بجے کلکتہ کی طرف سے فوجی ہیلی کاپٹر آنے شروع ہو گئے۔ ان سب کا رخ ریس کورس کی طرف تھا۔ خوش فہمی کی تمام گنجائشیں ختم ہو چکی تھیں' حالات صاف بتا رہے تھے کہ کھیل ختم ہو چکا ہے۔

## جنرل ٹکا خان نے مولوی فرید احمد کے بارے میں کہا۔۔۔
## HE IS A MADCAP

لوائے وقت کے نمائندہ خصوصی فیض محمد نے ٹیلی فون کیا۔ حالات کدھر جا رہے ہیں۔ اب کیا پروگرام ہے؟ میں نے جواب میں کہا۔ حالات نے جہاں جانا تھا چلے گئے' اب تو بس اپنی اپنی جان بچانے کے لئے ریڈ کراس والوں سے رجوع کریں۔ بی بی سی والے تو کہہ رہے تھے کہ اگلے ہفتے تک اخباری نمائندوں کو واپس بھیج دیا جائے گا۔ فیض صاحب نے اپنی معلومات سے آگاہ کیا۔

ویسے تو یہ سب طفل تسلیاں ہیں۔

اچھا خدا حافظ۔ حالات سازگار رہے تو کل بات ہو گی۔

ابھی انہوں نے فون رکھا ہی تھا کہ گھنٹی پھر بج اٹھی۔ ہوٹل کانٹی نینٹل سے میجر صدیق سالک بول رہے تھے۔ تم ان کو لے کر فوراً ہوٹل آ جاؤ۔ میں نے تمہارے لئے ایک کمرہ رکھا ہوا ہے۔

بھئی ایک دو دن میں ان شاء اللہ لاہور چلے جائیں گے۔ میجر صاحب نے کہا۔

آپ کس منزل پر ہیں؟

آپ کو ساتویں منزل سے لاہور دکھائی دے گا' میں تو گراؤنڈ فلور پر ہوں مجھے دور دور تک لاہور نہیں دکھائی دے رہا ہے۔ میجر صاحب نے جھلا کر فون بند کر دیا۔ میجر صاحب کا فون بند ہوا تو مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ فون کی گھنٹی بجی۔ جی۔ کون صاحب؟

"میں فرید احمد ہوں" دوسری طرف سے جواب ملا۔

اس وقت آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟

"اپنے گھر سے"

کیا آپ ابھی اپنے گھر سے کہیں منتقل نہیں ہوئے۔

اب میں منتقل ہونے کی تیاریاں کر رہا ہوں۔ میں خود کو لال باغ تھانہ میں پیش کرنے کے لئے جا رہا ہوں۔ مولوی صاحب نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ آپ یہ کیا غضب کر رہے ہیں۔ میں نے مضطرب ہو کر پوچھا اس وقت پورے شہر میں لاقانونیت کا دور دورہ ہے کوئی حکم نہیں کوئی انتظامیہ نہیں' جب تک یہاں کوئی حکومت کام نہ شروع کر دے آپ....

میں جانتا ہوں' لیکن اب کلمہ شہادت کی ادائیگی کا وقت آ گیا ہے اس لئے لال باغ جا رہا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ مولوی صاحب کی یہ آخری آواز تھی جو میں نے سنی میں نے اضطراری حالت میں کئی بار مولوی صاحب کے فون نمبر کو ڈائل کیا لیکن شاید مولوی صاحب نے ریسیور میز پر رکھ دیا تھا۔

**۱۸/ دسمبر ۱۹۷۱ء**

ایک پاکستانی سیاست دان مولوی فرید احمد کو چند طالب علم لال باغ تھانے کی حوالات سے زبردستی اپنے ساتھ لے گئے۔ پولیس کے ایک دو سپاہیوں نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن طالب علموں نے ان کے سینوں کو مشین گن سے نشانہ بنایا تو وہ ایک طرف ہو گئے۔ مولوی فرید احمد کل شام پاکستانی فوج کے ہتھیار ڈالنے کے بعد خود ہی تھانہ لال باغ میں حاضر ہو گئے تھے۔ بنگلہ دیش ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے یحییٰ خان کی حکومت سے تعاون کرنے والوں کو فوری طور پر قریبی پولیس تھانے میں گرفتاری پیش کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ (مارننگ نیوز ڈھاکہ)

پاکستان آبزرور جو سقوط کے بعد دو دن تک صرف آبزرور کے نام سے شائع ہوا تھا یہ خبر شائع کی اور نہ دوسرے بنگالی اخبارات نے یہ خبر دی۔ مولوی صاحب کے متعلق یہ آخری خبر تھی جو مارننگ نیوز ڈھاکہ نے اپنی ۱۹ / دسمبر کی اشاعت میں شائع کی تھی۔

**۲۶/ دسمبر ۱۹۷۱ء**

آدم جی جوٹ ملز نرائن گنج کے جنرل منیجر عبدالکریم کارا میرے دوستوں میں شامل تھے۔ ان کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ ۲۵ فروری کی درمیانی رات کو ہمارے ایک مشترکہ دوست میرے میزبان کے گھر آئے۔ میں محمد پور میں واقع اپنے گھر سے اپنے ایک عزیز دوست اور پاکستان متحدہ اسمبلی کے رکن جناب خلیل الزمان کے گھر اپنے بچوں کے ہمراہ منتقل ہو گیا تھا' مشترکہ دوست بہت پریشانی دکھائی دے رہے تھے اور ظاہر ہے کہ شہر کی بگڑتی ہوئی صورتحال کے باوجود اتنی رات گئے ان کی آمد کی وجہ یقیناً ہنگامی تھی انہوں نے بتایا کہ بھائی کریم کا سراغ مل گیا ہے اور اقبال ہال میں طالب علموں کی تحویل میں ہیں' ان کی ایک ٹانگ بھی تشدد کے نتیجے میں ٹوٹ گئی ہے انہوں نے بتایا کہ بھائی کریم کو اے۔ ایس۔ ایم عبدالرب کے ساتھیوں نے ان کی رہائش گاہ سے اغوا کیا تھا اور وہ ان سے دس لاکھ روپے کا مطالبہ کر رہے تھے اور وقت کل صبح گیارہ بجے تک کا دیا ہے اگر اس وقت تک مطلوبہ رقم نہیں دی گئی تو پھر کریم بھائی کو قتل کر دیا جائے گا۔ اس وقت کسی بھی ذمہ دار شخص سے رابطہ ممکن نہیں تھا۔ ہمارے مشترکہ دوست طیب میمن مضطرب دکھائی دے رہے

تھے' میں نے ان سے گزارش کی کہ اس وقت کسی سے ملاقات یا رابطہ ممکن نہیں اس لئے کل علی الصبح کوشش کی جائے۔ میں نے انہیں اپنے پاس ہی روک لیا۔

۲۶/ دسمبر کو علی الصبح ہم دونوں خوندکر مشتاق احمد کی رہائش گاہ پر پہنچے جو انٹرکان ہوٹل کے سامنے واقع تھی' یہ ان کی سرکاری رہائش گاہ تھی۔ مشتاق صاحب نے جب ساری روداد سنی تو وہ سخت ناراض ہوئے۔ انہوں نے فون پر فوراً عبدالرب سے رابطہ قائم کیا اور سخت برہم ہوئے۔ انہوں نے بنگلہ میں جو کچھ کہا اس کا مفہوم یہ تھا کہ عبدالکریم کو فوراً ان کے ہمراہ روانہ کردو۔ مشتاق صاحب کے سیکرٹری کے ہمراہ اقبال ہال پہنچے تو عبدالرب بھی ہمارے ساتھ ہی ساتھ پہنچا۔ ہم اقبال ہال کے ڈائننگ ہال میں گئے جہاں ننگے کھردرے فرش پر ہی عبدالکریم کو لٹایا گیا تھا البتہ ان پر یہ مہربانی ضرور کی گئی تھی کہ انہیں تکیہ دیا گیا تھا۔ ان کے ساتھ ایک تکیہ پڑا ہوا تھا جو خون آلود تھا۔ عبدالکریم نے سب سے پہلے عبدالرب کو دیکھا تو ان کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔ عبدالرب نے اپنی پیشانی پر سرخ رنگ کا رومال باندھا ہوا تھا اور چیلے ادھر ادھر پھیلے ہوئے تھے۔ اس نے عبدالکریم کارا سے کہا یہ لوگ آ گئے ہیں اس لئے تم کو چھوڑ رہے ہیں لیکن تمہیں قرآن پر ہاتھ رکھ کر یہ حلف اٹھانا ہو گا کہ تم نے جو کچھ دیکھا ہے وہ کسی کو نہیں بتلاؤ گے۔

عبدالکریم کارا کو لے کر ہم مشتاق صاحب کی رہائش گاہ پر پہنچے انہی کے ساتھ ناشتہ کیا اور پھر انہوں نے کریم کارا کو ہر ممکن تحفظ کا یقین دلاتے ہوئے انہیں بنگلہ دیش جوٹ بورڈ کا مشیر اعلیٰ مقرر کرنے کی نوید سنائی۔

## ۲۷/ دسمبر ۱۹۷۱ء

میں پرانا پلٹن میں واقع طیب میمن کے مکان پر پہنچا تو اس وقت صبح کے دس بجے تھے۔ مشتاق صاحب کی یقین دہانی اور سرکاری طور پر اپنی نامزدگی کے اعلان کے باوجود وہ مضطرب دکھائی دے رہے تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا خدا کے لئے مجھے یہاں سے باہر بھجوانے کا انتظام کرو میں یہاں ایک منٹ بھی نہیں رہنا چاہتا۔ ان کے ساتھ پانچ دن تک جو کچھ ہوتا رہا تھا وہ اس کو کس طرح بھول سکتے تھے' پھر طیب نے اس کے جواب میں اس دن کے اخبارات میرے سامنے رکھ دیئے اور کہا دیکھو ان لڑکوں نے اپنے وزیر اعظم تاج الدین کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور انہیں اپنے ہتھیار حکومت کے حوالے کرنے کی تلقین کی تو وہ اس پر بھی برس پڑے' پھر کافی دیر تک بڑبڑاتے رہے۔

طیب نے چائے کا بندوبست کیا۔ چائے نوشی کے دوران گپ شپ ہوتی رہی' پھر کافی دیر کے بعد میں نے ان سے سوال کیا کہ کریم بھائی وہ آپ کے ساتھ والا تکیہ کس کا تھا؟

یہ سوال سنتے ہی کریم بھائی کا چہرہ فق ہو گیا اور ان پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی' چائے کا کپ ان کے ہاتھ سے زمین پر گر پڑا وہ اپنے دل کو تھامے ہوئے بستر پر گر پڑے۔ طیب میمن نے فوراً ڈاکٹر کو فون کر کے طلب کر لیا۔

## ۱۵/ جنوری ۱۹۷۲ء

عبدالکریم کارا کی طبیعت اب کافی سنبھل چکی تھی وہ گزشتہ روز شیخ مجیب الرحمٰن سے بھی مل چکے تھے۔ میں جب انکی مزاج پرسی کے لئے پہنچا تو شام ہو چکی تھی۔ جنوری کی شام بالعموم ڈھاکہ میں بڑی سہانی ہوتی ہے' اگرچہ اودھ کی شام بھی محاورے میں استعمال ہوتی ہے لیکن ہمارے استعمال نہ ہونے کے باوجود سونار گاؤں (ڈھاکہ کا قدیمی نام) کی شام سہانی ہوتی ہے۔ سلونی بھی اور سندر بھی اور شہید اللہ قیصر کے بقول اگر یہ کہا جائے کہ دل میں شام اتر آئی ہے تو سمجھ لو کہ دل کو وہ تمام خوشیاں مل گئی ہیں جن کا خدا نے انسان سے وعدہ کیا ہے۔ کھل گاؤں سے پرانا پلٹن تک سائیکل رکشہ کا سفر اس وقت بھی سہانا تھا حالانکہ شہر میں ابھی امن و امان کی صورتحال بہتر نہیں ہوئی تھی۔ مکتی باہنی کے لوگوں نے جن میں ٹائیگر صدیقی بھی شامل تھا شیخ مجیب الرحمٰن کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دیئے تھے لیکن اس کے باوجود شہر میں ناجائز اسلحہ کی کوئی کمی نہیں تھی اور لوٹ مار کی وارداتیں ہو رہی تھیں۔ غیر بنگالیوں کے ساتھ اب بنگالیوں کو بھی نہیں بخشا جا رہا تھا۔ دھان منڈی' کیلا بگان' گلشن اور موتی جھیل اور سول لائنز میں مقیم خوشحال بنگالیوں کے گھروں میں منہ پر رومال باندھے ہوئے نوجوان مقامی نہیں تھے بلکہ دوسرے شہروں سے آئے ہوئے تھے ان میں زیادہ تر کشتیا اور باریسال کے شوریدہ سر شامل تھے جو خود کو مکتی باہنی کے مجاہد قرار دیتے تھے۔ دن میں یہ دفتر روزگار کے سامنے قطار میں کھڑے ہو جاتے اور شام لوٹ مار کرتے۔ ان کے خوف سے لوگ نقد رقم گھر میں رکھنا چھوڑ چکے تھے۔ خواتین گھروں سے باہر نہ نکلتی تھیں۔ شام کے وقت نیو مارکیٹ اور اسٹیڈیم کی رونقیں ختم ہو چکی تھیں کیونکہ سب جانتی تھیں کہ سورج غروب ہونے سے پہلے گھروں کی چار دیواری میں پناہ گزین ہونا ضروری ہے۔ مردوں کے لئے البتہ کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میرے ساتھ آفتاب کمال تھا۔

میں نے جب طیب میمن کے دروازے پر دستک دی تو ان کے بڑے بیٹے نے دروازہ کھولا مجھے دیکھ کر فوراً اندر آنے کو کہا اور پھر دروازہ بند کر لیا۔

عبدالکریم نے ہاتھ ملا کر خیریت دریافت کی اور پھر گپ شپ شروع کر دی ان کے پاس کہنے کے لئے بہت کچھ تھا۔ ایک شخص جس کی ساری زندگی لوگوں کے ہجوم میں گزری ہو' زندگی کے اس موڑ پر اچانک اکیلا رہ جائے تو اس کے کرب کا اندازہ لگانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ میں نے انہیں اکیلا دیکھا تو جی چاہا کہ ایک بار پھر وہی سوال کروں جو اٹھارہ دن قبل کیا تھا اور جسے سن کر ان پر دل کا دورہ پڑا تھا' لیکن یہ سوال کرنے کی ہمت نہیں پڑی۔ مجھے تذبذب اور کشمکش کی حالت میں دیکھ کر انہوں نے خود پہل کی۔ بھائی! کیا پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو۔ اب مجھ پر دل کا دورہ نہیں پڑے گا میں نے اپنا دل سخت کر لیا ہے۔

کتنا سخت کر لیا ہے۔ پٹ سن آخر پٹ سن ہی رہتا ہے۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ میرا پیشہ پٹ سن کا ہے دل کا نہیں۔ کارا نے فوراً جواب دیا۔ بہرحال میں تمہارا مطلب سمجھ گیا ہوں۔ اب تمہارے سوال کا جواب دینے کے لئے تیار ہوں۔

ان اٹھارہ دنوں میں آخر کیا بات ہو گئی کہ آپ.....؟

یار اکیوں بال کی کھال اتارتے ہو جو کچھ پوچھنا ہے پوچھ لو۔ انہوں نے میری بات کاٹتے ہوئے فوراً کہا آپ کو معلوم ہی ہے لیکن ریکارڈ کے لئے میں اپنا گزشتہ سوال پھر دہراتا ہوں کہ آپ کے ساتھ خود آلود تکیہ کس کا تھا۔ میں اپنا سوال دہرا کر دھڑکتے دل کے ساتھ ان کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

مولوی فرید احمد' سرگوشی کرتی ہوئی آواز میں کارا نے جواب دیا اور پھر وہ جہاندیدہ اور سخت دل شخص بلک بلک کر رونے لگا۔

## ۲۷/ فروری ۱۹۷۲ء

نیو مارکیٹ کے علاقہ میں پرانی کتابوں' رسالوں اور گرما گرم کتابوں کی مارکیٹ بھی تھی' یہاں اکثر اوقات بعض نادر کتابیں بھی مل جاتی ہیں جس طرح دنیا کے دوسرے علاقوں میں اس قسم کی مارکیٹوں سے مل جاتی ہیں اگرچہ پرانی کتابوں کا دھندا کرنے

والوں کی اب وہ حالت نہیں رہی جو تیس پینتیس سال قبل تھی کہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کی ۳۲ جلدیں ایک روپے سیر کے حساب سے فروخت کر دیں۔ اب وہ ان کتابوں کی ٹھیک ٹھاک قیمت وصول کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات نئی کتابوں سے بھی دوگنی قیمت لگاتے ہیں اس مارکیٹ میں ایک چھوٹے سے کھوکھے پر پرانی کتابوں اور اخباروں کی ردی کا ڈھیر لگائے ایک منحنی سا شخص بیٹھا ہوتا ہے۔ یہ شخص سامنے گاہکوں کو دیکھ کر بھی متوجہ نہیں ہوتا اس کے منہ سے رال ٹپکتی تھی اور مکھیاں اس کے چہرے پر بھنکتی رہتی تھیں۔ ناک پر شیشے کی عینک تھی اور ہر وقت بڑبڑاتا رہتا تھا' بہت غور کرنے کے بعد اس کی بات کسی حد تک سمجھ آجاتی تھی وہ بس ایک فقرہ دہراتا رہتا تھا۔ "اس کا انگلی اوپر کی طرف اٹھا ہوا ہے" میں نے جب اس کی بڑبڑاہٹ سنی تو پہلے مجھے حیرت ہوئی کہ بنگالی ہونے کے باوجود اردو میں یہ فقرہ کیوں دہرا رہا ہے۔ مجھے اس سے دلچسپی ہوئی تو اس کے قریب جاکر میں نے نرمی سے پوچھا۔ بڑے میاں! کس کی انگلی اوپر کی طرف...... پہلے ہی لفظ وہ چونک پڑا اور پھر میری بات کاٹتے ہوئے کہنے لگا۔ "ہم تو بڑا صاحب نہیں ہے۔ بڑا صاحب تو وہ تھا جس کا انگلی اوپر کی طرف اٹھا ہوا تھا"۔

وہ کون تھا؟

وہ اب بھی رات کو آتا ہے اور ہمارا اکھی (آنکھوں) پر انگلی مار کر بولتا ہے میرا جیبھو (زبان) مت کاٹو۔

وہ کون تھا؟

اس نے میرا سوال سنا ان سنا کرتے ہوئے کہا... پھر وہ بولتا ہے ہمارا جیبھ کاٹ دیا اب ہمارا ہاتھ تو مت کاٹو۔

ہم نے اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا تو وہ بولنے لگا کہ ہمارا دوسرا ہاتھ مت کاٹو' ہم نے اس کا جیبھ کاٹ لیا مگر وہ پھر بھی بولتا ہے کہ "ہاتھ مت کاٹو"۔

وہ کون تھا؟

وہ کون تھا؟

ہم نے اس کا ہاتھ تو نہیں کاٹا پھر اس کو نمکین چادر میں لپیٹ دیا۔

میں نے ذرا سختی سے پوچھا۔

پھر وہ مری گئے چھے (پھر وہ مر گیا) یہ واحد جملہ تھا جو اس نے بنگلہ میں ادا کیا تھا۔ وہ پھر بڑبڑانے لگا کہ ہم اس کا ٹانگ کاٹا تو وہ بولا "اللہ! گواہ رہنا" ہم اس کا جیبھ کاٹا تو وہ بولا "اللہ! گواہ رہنا" تو وہ اپنا انگلی آسمان کی طرف اٹھا دیا ہم خود سنا اس کا انگلی بول رہا تھا۔ "اللہ! گواہ رہنا"۔ پھر جب ہم نے نمک میں گیلا چادر اس کو لپیٹا تو اس کا انگلی بول رہا تھا "اللہ! گواہ رہنا"۔ "اللہ! گواہ رہنا"۔

اختتامیہ : وہ شخص اب بھی نیو مارکیٹ کے علاقے میں پرانی کتابوں کی مارکیٹ میں اپنے کھوکھے پر بیٹھا ہوا ہے اور ہر وقت یہی بڑبڑاتا رہتا ہے۔ "اس کا انگلی اوپر کی طرف اٹھا ہوا ہے"۔

## بقیہ : انٹرویو' جنرل انصاری

محب الوطن افراد بھی تھے لیکن مجموعی صورتحال یہ تھی کہ فوج کے لئے کھانے پینے کی اشیاء کی فراہمی بند ہو گئی تھی اور تمام سپلائز مغربی پاکستان سے فراہم کی جا رہی تھیں۔ ہماری گاڑیوں کو پٹرول لینے کے لئے اکثر اوقات ٹینک کی حفاظت میں پٹرول پمپ تک جانا پڑتا تھا۔ میں اس بات سے بھی انکار کرتا ہوں کہ وہاں بھارت کو فتح ہوئی تھی۔ یہ بھارت کی فتح نہیں تھی۔ اگر اس نے مشرقی پاکستان فتح کیا ہوتا تو اس کی فوج وہاں سے نہ جاتی جس طرح وہ حیدر آباد دکن' گوا اور جونا گڑھ سے واپس نہیں گئی اور جس طرح وہ اب مقبوضہ کشمیر سے نہیں جا رہا ہے۔

☆ جنرل صاحب! یہ کہا جاتا ہے کہ مشرقی پاکستان کے مسلمانوں پر ہندوؤں کی تہذیب و ثقافت کا غلبہ تھا' وہ ہندوؤں کے زیر اثر تھے---- اس میں کہاں تک صداقت ہے؟

جنرل انصاری ---- اگر اس میں کوئی صداقت ہوتی تو ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں وہاں کے عوام مسلم لیگ کو ووٹ کیوں دیتے' یہ حقیقت ہے کہ وہ ہم سے بہتر مسلمان تھے اور ہیں۔ اور انہوں نے خالص اسلامی جذبے کے ساتھ مسلم لیگ کو ووٹ دے کر پاکستان بنایا تھا لیکن ان کی توقعات پوری نہیں ہوئیں۔ اسلامی اخوت کے جذبے کو ہم نے خود ختم کیا۔

☆ کیا اس المئے سے ہم نے کوئی سبق سیکھا؟

جنرل انصاری ---- نہیں --- مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس سانحے سے ہم نے کوئی سبق نہیں سیکھا' اس سانحے کے کرداروں کا احتساب نہیں کیا گیا' کسی نے جنرل یحییٰ خان' جنرل عبدالحمید سے یہ پوچھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی کہ بتاؤ! ملک کو یہ نقصان کس طرح پہنچا' عجیب بے نیازی کا عالم ہے' مہران بینک اسکینڈل کی رپورٹ تو شائع ہو گئی لیکن حمود الرحمن کمیشن کی رپورٹ شائع نہیں ہوئی۔ اس دوران بائیں بازو سے تعلق رکھنے کے دعویدار ذوالفقار علی بھٹو نے بلا شرکت غیرے حکمرانی کی' انہوں نے حمود الرحمن کمیشن قائم کیا' رپورٹ ان کے دور اقتدار ہی میں تیار کر لی گئی لیکن انہوں نے اسے عام کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی' پھر ان کے یکسر متضاد نظریات رکھنے والے جنرل ضیاء الحق نے ملک کا اقتدار سنبھالا جو مرد مومن بھی تھے اور مرد حق بھی لیکن انہوں نے بھی اس رپورٹ کو سرد خانے میں محفوظ رکھا' پھر ان کی مخالف بے نظیر تشریف لائیں' نواز شریف آئے اور پھر بے نظیر ایوان اقتدار میں جلوہ افروز ہوئیں لیکن ملک کے ایک اہم ترین سانحے کے بارے میں رپورٹ پردے ہی میں رہی--- سب سے بڑی اسلامی مملکت دولخت ہوئی لیکن کسی کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی بلکہ اس پر خوشی بھی منائی گئی--- ایوب خان کے ایک وزیر نے تو یہاں تک کہا کہ --- "اچھا ہو جو بنگالیوں سے جان چھوٹے" یہ ایم ایم احمد تھے۔ ہر چیز کی ایک انتہا ہوتی ہے' توہین اور بے عزتی برداشت کرنے کی بھی حد ہوتی ہے' جب یہ حد سے گزر جائے تو پھر نفرت پیدا ہوتی ہے اور یہ نفرت بھی اتنی ہی طاقتور ہوتی ہے جتنی محبت طاقتور ہوتی ہے۔ جب شیشے میں بال آ جائے تو پھر شیشہ سلامت نہیں رہتا اور سب سے نازک شیشہ انسان کا دل ہے۔

☆ کہا جاتا ہے کہ اگر مجیب الرحمن کو اقتدار مل جاتا تو پورا پاکستان ختم ہو جاتا؟

جنرل انصاری --- اگر ایسی کوئی بات تھی تو پھر اس کی پارٹی کو الیکشن میں کیوں حصہ لینے دیا گیا' یہ بڑی نامعقول بات ہے' مجیب کو اقتدار مل جاتا تو کیا وہ ملک کو بیچ دیتا' کیا کر سکتا تھا وہ --- ایک پارٹی اگر اکثریت میں آ گئی تھی تو اسے اقتدار سونپ دیا جاتا--- ہمارے دانشوروں پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ انہوں نے عوام کو حقائق سے آگاہ نہیں کیا' جب اسمبلی کا اجلاس ملتوی کیا گیا تو مغربی پاکستان سے کوئی تحریک نہیں چلی۔ سیاست دانوں اور دانشوروں کو چاہئے تھا کہ وہ ایوان صدر پر ہلہ بول دیتے اس کا گھیراؤ کرتے ---- کیا انہیں نظر نہیں آ رہا تھا کہ اکثریتی پارٹی کو اقتدار منتقل نہ کرنے سے ملک ٹوٹ جائے گا۔ یہ سب اس انتظار میں تھے کہ ملک ٹوٹے گا تو پھر وہ سب مل کر فاتحہ پڑھیں گے۔

☆☆☆

# شیخ مجیب الرحمٰن کے قتل کی کہانی

## وزیراعظم بنگلہ دیش، شیخ حسینہ واجد کی زبانی

ان دنوں بنگلہ دیش کا اہم ترین سیاسی موضوع "قتل مجیب" ہے۔

شیخ مجیب الرحمٰن کو بیس سال قبل ان کی ذاتی رہائش گاہ پر ان کے موجود اہل خاندان سمیت قتل کر دیا گیا تھا اور اس کے مرتکب افراد کو آئینی طور پر محاسبے سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا اور یہ اہتمام جنرل ضیاء الرحمٰن نے کیا تھا۔ اس کے قاتل علی الاعلان اپنے اس "کارنامے" پر فخر کا اظہار کرتے تھے۔ انہوں نے "فریڈم پارٹی" کے نام سے ایک سیاسی جماعت بھی بنائی لیکن اس پارٹی کا کوئی بھی امیدوار انتخابات میں کامیاب نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ پارٹی کے سربراہ کی ضمانت بھی ضبط ہو گئی۔ شیخ مجیب الرحمٰن کے قتل میں شریک مبینہ ملزموں کی تعداد اٹھارہ کے لگ بھگ ہے' ان کے علاوہ قتل کی سازش کرنے والوں کی تعداد ۲۵ کے قریب ہے جن میں جنرل ضیاء الرحمٰن کو بھی شامل کیا جا رہا ہے۔ روزنامہ "انفاق" کے ایک سابق چیف رپورٹر اور متحدہ پاکستان کی آخری قومی اسمبلی کے رکن طاہر الدین ٹھاکر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ان ملزموں کے درمیان رابطے کا کام دیتا تھا۔ ڈھاکا میں انتہائی باخبر حلقوں نے پاکستان اور لیبیا کے حکمرانوں کو اس ضمن میں موثر کردار ادا کرنے کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ ان حلقوں کے پاس ایسی شہادتیں موجود ہیں جن کے مطابق شیخ مجیب الرحمٰن کو قتل کرنے کی سازش لاہور میں منعقدہ اسلامی سربراہ کانفرنس کے فوراً بعد تیار کی گئی تھی۔ ان حلقوں کا کہنا ہے کہ بھٹو کے ایک وزیر اور پیپلز پارٹی کے ایک "جیالے" جنرل نے اس سلسلے میں لیبیا کے کئی سفر کئے' انہوں نے قتل کی سازش میں حصہ لینے والوں کو یقین دلایا کہ اگر ان پر کوئی "برا" وقت آیا تو انہیں ہر ممکن تحفظ فراہم کیا جائے گا اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس وعدے کو اس طرح پورا کیا گیا کہ مبینہ اور معترف قاتلوں کو انہی ممالک میں متعین کیا گیا اور جب "برا" وقت آیا تو انہیں پناہ بھی دی گئی۔ بنگلہ دیش کی وزیراعظم شیخ حسینہ واجد نے اپنے والدین اور دیگر خاندان کے قتل عام کے بارے میں ایک تاثراتی مضمون لکھا ہے' جس کا ترجمہ قارئین کرام کے لئے ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ (محمد بدر منیر)

اللہ اکبر!

حی علی الصلوٰۃ!

حی علی الفلاح

۱۵/ اگست ۱۹۷۵ء کو صبح کاذب کے وقت جب ڈھاکا شہر میں موذن کی پکار گونج رہی تھی تو قاتلوں کا ایک گروہ موذن کی اس دعوت کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے اسلحوں اور ٹینک کے ساتھ قتل و غارت گری کے لرزہ خیز عزائم کے ساتھ اپنے وحشیانہ منصوبے کی تکمیل کے لئے بڑھ رہا تھا۔ انہوں نے بنگلہ دیش کے بابائے قوم بنگلہ بندھو شیخ مجیب الرحمٰن کو قتل کر دیا جنہوں نے اس ملک کو شاہراہ آزادی پر گامزن کر کے منزل حاصل کرنے میں قوم کی قیادت کی تھی۔ انہوں نے میری والدہ بیگم فضیلت النساء مجیب کو موت کے گھاٹ اتار دیا' انہوں نے میرے بھائیوں شیخ کمال اور شیخ جمال کو گولی مار دی جن کی حال ہی میں شادی ہوئی تھی ان کی بیویوں کو بھی زندگی سے محروم کر دیا جن کے ہاتھوں میں ابھی تک مہندی کے نقوش واضح تھے۔

وہ قتل عام کی صبح تھی---- شیخ مجیب الرحمٰن کے ایک ہی بھائی شیخ ابو نصر بھی قاتلوں کی درندگی کی بھینٹ چڑھ گئے۔ بریگیڈیئر جمیل نے جو شیخ مجیب کی زندگی بچانے اور اپنا فرض منصبی ادا کرنے کے لئے سینہ سپر ہوئے تھے انہیں بھی قاتلوں کے اس گروہ نے نہیں بخشا' پولیس اور حفاظتی دستے کے افسر اور جوانوں کو بھی فائرنگ کا نشانہ بنایا گیا۔ انتہائی بے رحمی کے ساتھ کسی جواز کے بغیر دس سالہ رسل شیخ کو گولی مار دی گئی۔ وہ قاتلوں سے بچنے کے لئے اسٹور روم میں چھپ گیا تھا لیکن قاتلوں نے اسے وہاں سے بھی ڈھونڈ نکالا۔ وہ چیخ رہا تھا "میری امی کہاں ہیں' مجھے ماں کے پاس جانا ہے"۔ قاتلوں نے اسے گھسیٹ کر وہاں سے نکالا اور پھر اس کی ماں اور والد کی لاش پر دھکا دے کر گرا دیا اور اسے گولی مار دی۔ قاتلوں نے اپنے اس عمل کو "رحم دلی" قرار دیا تھا۔ انہوں نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ ایک اور مکان میں گئے جہاں نوجوانوں کے مقبول رہنما شیخ فضل حق مونی رہائش پذیر تھے۔ قاتلوں نے مونی اور اس کی اہلیہ کو ہلاک کر دیا۔ مونی کی اہلیہ ان دنوں حاملہ تھی۔ یہاں سے وہ لیبر لیڈر عبدالرب کے مکان پر گئے اور عبدالرب کو ان کی اہلیہ' ان کی تیرہ سالہ بیٹی بے بی' ان کے دس سالہ بیٹے عارف' ان کے پوتے اور بھتیجے شاہد کو زندگی سے محروم کر دیا۔ شاہد ایک معروف صحافی بھی تھے' قاتلوں نے ان لوگوں کو بھی نہیں بخشا جو اس گھر میں پناہ گزین تھے۔

ایک بار پھر پندرہ اگست ۱۹۷۵ء کی صبح کو بنگال کے عوام کے خوابوں' امیدوں اور آرزوؤں کو بڑی سنگدلی کے ساتھ قتل کیا گیا تھا قبل ازیں معرکہ پلاسی کے بعد نواب سراج الدولہ اور ان کے اہل خاندان کو بھی ان کے سپہ سالار میر جعفر نے اسی سنگ دلی اور سفاکی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ ۱۹۷۵ء میں اس تاریخ کو خوندکر مشتاق احمد نے دہرایا جس نے جلد سے جلد صدر بننے کی ہوس میں شیخ مجیب الرحمٰن کو قتل کر کے ان کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش پر قاتلوں کو مائل کیا اور کرنل رشید' کرنل فاروق' میجر دالم' ہدیٰ' شہریار' محی الدین' خیر الزمان اور محسن اس کے شامل ہو گئے' دو سو سال قبل میر جعفر کے اشارے پر سراج الدولہ کے سپاہیوں نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اسی طرح ۱۹۷۵ء میں بھی ہوا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ میر جعفر نے جس اقتدار کی ہوس میں سراج الدولہ سے غداری کی وہ اس اقتدار پر تین ماہ سے زیادہ قابض نہ رہ سکا اس طرح خوندکر مشتاق احمد بھی تین ماہ سے زیادہ اقتدار کی کرسی پر اپنا قبضہ برقرار نہیں رکھ سکا۔ یہ تاریخ کا فیصلہ ہے کہ غداروں پر اعتماد نہیں کیا جاتا یہاں تک کہ ان کے آقا بھی انہیں اعتماد کے قابل نہیں سمجھتے اور یہی کہانی خوندکر مشتاق کے ساتھ دہرائی گئی۔

یہ ۱۹۳۱ء کا لاہور ہے۔

# ڈاکٹر محمد مسعود قریشی

## بنگال کے مسلم لیڈروں سے ان کے گہرے مراسم تھے

## انہوں نے اپنی سیاسی و سماجی خدمات کا کبھی کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا

## ہومیو پیتھک کی ترقی کے لئے ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں

فلیمنگ روڈ سے ریلوے روڈ پر آئیں تو امرت دھارا بلڈنگ ہے جو اس زمانے میں بلکہ قیام پاکستان تک ہندوؤں کی "طبی" اور سماجی سرگرمیوں کا مرکز تھی۔ اس "مرکز" کے ساتھ ہی ایک پرچون والے کی دکان تھی جس کا مالک ہندو تھا' یہ دوکاندار بڑا خوش اخلاق اور خلاف معمول کی حد سے بھی آگے ہنس مکھ بھی تھا لیکن اس کی خوش اخلاقی ہندوؤں تک ہی محدود تھی جوں ہی کوئی مسلمان گاہک سامنے آتا اس کے تیور ہی بدل جاتے' چہرے کی طنابیں کس جاتیں اور خوش اخلاقی کے تمام آثار یکدم رخصت ہو جاتے' خشونت کا راج ہو جاتا' وہ اپنی ناک سکوڑ کر بڑی حقارت سے پوچھتا--- آفت رسیدہ مسلمان گاہک اپنی مطلوبہ اشیاء کا نام بتاتا تو دکاندار احتیاط کے ساتھ مطلوبہ اشیاء ناپ یا تول کر گاہک سے کہتا اپنی جھولی پھیلاؤ پھر وہ ساری اشیاء اس کی پھیلی ہوئی جھولی میں ڈال دیتا۔ اور پھر ایک ڈبے کی طرف اشارہ کر کے کہتا اس میں پیسے ڈال دو---! مسلمان گاہک اس پر عمل کرتا اور اپنی اشیاء لے کر چلا جاتا۔ ایک نحیف و نزار جسم کا مالک دردمند و دل سوز شخص ذرا فاصلے پر کھڑا ہوا یہ منظر دیکھتا اور تڑپ کر رہ جاتا--- بے بسی سے ہاتھ مل کر رہ جاتا لیکن احساس کی چنگاری جلد ہی ایک شعلہ جوالہ میں تبدیل ہو گئی اور اس شعلے کی تپش سے بے حسی کی برف پگھلنے لگی--- اگرچہ ادھر ادھر چند مسلمان دکاندار بھی تھے لیکن ان سے لوگوں کو یہی شکایت تھی کہ وہ ایک طرف تو گھٹیا سامان دیتے ہیں' قیمت بھی زیادہ لیتے ہیں اور وہ بھی کم تولتے اور ناپتے ہیں۔ اور اسی لئے مسلمان ذلت اور توہین کے باوجود ہندو دکانداروں سے سودا لینے پر مجبور تھے لیکن رفتہ رفتہ مسلمانوں نے مسلمان دکانداروں سے سودا لینا شروع کر دیا۔ پہلے تو ہندو دکانداروں نے اس خاموش بائیکاٹ کو محسوس نہیں کیا لیکن جب انہیں احساس ہوا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس نحیف و نزار شخص نے ارد گرد کے رہائشی مسلمانوں کو مسلمان دکانداروں سے خریداری پر نہ صرف یہ کہ قائل کر لیا تھا بلکہ دکانداروں کو بھی اپنا معیار درست کرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔ اس نحیف و نزار شخص کا نام تھا ڈاکٹر محمد مسعود قریشی۔ ڈاکٹر مسعود قریشی جو اس صدی کے اوائل میں مردم خیز خطہ وزیر آباد سے لاہور آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔

ڈاکٹر مسعود نے ہومیو پیتھک کے ذریعے مریضوں کے لئے مسیحائی کی تو سماجی طور پر عام مسلمانوں میں عزت نفس کا احساس بیدار کیا۔ مسلمانوں کو بجا طور پر محدود وسائل کے باوجود خود داری اور بلند کرداری کا درس دیا۔ علامہ اقبال کے خطبہ الٰہ آباد کے بنیادی نکات کو عام کرنے اور اسے لاہور کے مسلمان دانشوروں' مصنفوں اور قلمکاروں میں خاص کرنے کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ اور اپنی سماجی و سیاسی خدمات کا کوئی معاوضہ دعائے خیر کے سوا کبھی بھی طلب نہیں کیا اور نہ قبول کیا۔

بیسویں صدی کے وسط تک کا دور انیہ برصغیر کے مسلمانوں کے لئے ہر لحاظ سے پر آشوب دور تھا۔ مغلیہ حکومت کے خاتمے کے بعد مسلمان ہر شعبہ میں زوال پذیر تھے اور احساس ندامت یا احساس کمتری نے مسلمانوں کو پس ماندگی کی طرف دھکیل دیا تھا' بقول حالی مسلمان ان قوموں کی صف میں شامل ہو گئے تھے جو زوال کے بعد عروج حاصل کرنے کا خواب تک نہیں دیکھ سکتیں--- اضمحلال' مایوسی اور شکست خوردگی نے ان کے قدم روک دیئے تھے۔ ان حالات میں پہلے سرسید نے مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی دور کرنے اور انہیں جدید دور کے تقاضوں سے روشناس کرنے کی مہم چلائی اور اس مہم کا مرکز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ قرار پایا۔ سرسید نے مسلمانوں کو ہندوؤں سے ایک علیحدہ قوم قرار دیا' چنانچہ انڈین نیشنل کانگریس کے تیسرے سالانہ اجلاس میں بعض "خان بہادر" قسم کے بزعم خود مسلم رہنماؤں نے سرسید کا مذاق اڑایا۔ یہ سالانہ اجلاس ۱۸۸۷ء میں منعقد ہوا تھا۔ ہندوؤں اور مولویوں کا سارا زور سرسید کی طرف مبذول ہو گیا' کفر کے فتووں کی یلغار کے باوجود سرسید کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی اور وہ اپنے موقف پر جمے رہے جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو علی گڑھ سے زندگی کے ہر شعبے کے لئے ایسے رہنما ملے جنہوں نے انہیں احساس کمتری سے نجات دلائی۔ سرسید کے علاوہ اکبر الٰہ آبادی' الطاف حسین حالی' علامہ اقبال' مولانا ظفر علی خان' مولانا حسرت موہانی' مولانا محمد علی جوہر اور نواب بہادر یار جنگ جیسے بطل جلیل اسی عہد میں نمودار ہوئے اور انہوں نے مسلمانوں کو آزاد قوموں کی صف میں جگہ حاصل کرنے کے لئے آمادۂ جدوجہد کیا اور پھر اسی صدی میں قائداعظم محمد علی جناح جیسے قائد کی قیادت نے سفینہ ملت کو گرداب بلا سے نجات دلائی اور انہیں ایک بار پھر عروج کے سفر پر روانہ کیا۔

ڈاکٹر مسعود قریشی نے اس عظیم عہد کو اپنی آنکھوں سے دیکھا' محسوس کیا اور پھر اس سفر میں وہ خود بھی عملی طور پر کاروان ملت کے دوش بدوش ہم سفر رہے۔ انہوں نے اپنے وسائل سے زیادہ اس تحریک میں حصہ لیا اور ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کے لاہور کنونشن کے بعد وہ ہر کنونشن میں شریک ہوئے اور قائداعظم کا خطاب سنا۔ کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر مسعود نے اس لئے ہومیو پیتھی کو بطور پیشہ اختیار کیا کہ وہ بچپن میں ہومیو پیتھک ڈاکٹر کے علاج سے تندرست ہوئے تھے لیکن ڈاکٹر مسعود کے سیرت و کردار اور انداز زندگی کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت

واضح ہوتی ہے کہ محض اس چھوٹی سی بات سے وہ اتنا بڑا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے نہایت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا۔ ان کے سامنے ہومیو پیتھک طریق علاج اس لئے زیادہ پسندیدہ تھا کہ برصغیر میں سرسید احمد خان اس کے اولین سرپرستوں میں تھے اور خطبات سرسید کے وسیع مطالعہ اور مسلمانوں کے معاشرتی و اقتصادی حالات کا جائزہ لینے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ ہومیو پیتھک طریق علاج نہ صرف یہ کہ آسان اور سستا طریق علاج ہے بلکہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت اور نفسیاتی مزاج کے لحاظ سے بھی ان کے ہم آہنگ ہے۔ اس کے علاوہ اس طریق علاج کے ذریعے وہ مسلمانوں کی بیکاری اور بے روزگاری کو کافی حد تک دور کر سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنی معالجاتی زندگی میں لاکھوں افراد کو شفایاب کیا اور کم از کم پچاس ہزار مسلمان نوجوانوں کو براہ راست ہومیو پیتھک کی تعلیم دے کر انہیں اس پیشے میں شامل کیا اور ان کے اس چشمہ فیض سے اب بھی ہزاروں افراد باقاعدگی سے استفادہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اپنے' اپنے اہل خاندان اور ملت کے لئے بار آور بنایا۔ ان کے روز مرہ کے معمولات کا جائزہ لیا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ ایک منحنی اور کمزور صحت کے مالک شخص نے اتنے کام کس طرح کر لئے۔ اپنی سیاسی' سماجی اور پیشہ ورانہ خدمات کی انجام دہی کے بعد وہ مطالعہ بھی کرتے تھے جو بجائے خود ایک کل وقتی کام ہے۔ وہ بہت کم آرام کرتے تھے ان کا قول تھا کہ "زندگی کا کوئی لمحہ بھی ضائع مت کرو" اور وہ اپنے اس قول پر سختی سے عمل کرتے تھے۔

انہوں نے تحریک پاکستان میں دامے' درمے' قدمے' سخنے ہر طرح سے حصہ لیا لیکن انہوں نے اپنی ان خدمات کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا اور نہ کسی عہدے کے طلب گار ہوئے' حالانکہ مسلم لیگ کے صف اول کے لیڈروں سے ان کے بڑے قریبی تعلقات تھے۔ نواب شاہنواز ممدوٹ' نواب افتخار حسین ممدوٹ اور میاں بشیر احمد سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ علامہ اقبال سے بھی ان کی گہری رسم و راہ تھی اور سیاسی و ملی طور پر بھی ان کے خیالات ایک جیسے تھے لیکن ڈاکٹر مسعود نے اپنے ان مراسم سے کبھی ذاتی فائدہ نہیں اٹھایا۔ قیام پاکستان کے بعد بنگال کے مسلم رہنماؤں بالخصوص مولوی تمیز الدین خان' ظہیر الدین' مولوی فرید احمد' ڈاکٹر عبد المطلب مالک اور جناب ظہیر الدین لال میاں سے ان کے دوستانہ مراسم قائم ہوئے جو آخر تک برقرار رہے۔ لیکن ان تمام دوستوں سے ان کے اعلیٰ عہدوں پر تعیناتی سے انہوں نے کوئی ذاتی فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ قومی و ملی مفاد کے لئے کام کیا۔ چنانچہ ہومیو پیتھک طریق علاج کو سرکاری طور پر منظور کرانے کے لئے ۵۷-۱۹۵۶ء میں جناب ظہیر الدین وزیر صحت حکومت پاکستان اور پھر ایوب خان کے عہد میں ایک اور وزیر صحت ظہیر الدین لال میاں کے منصب اور اثرات کو انہوں نے استعمال کیا۔ ڈاکٹر مسعود کی بصیرت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے قیام پاکستان سے قبل بنگال کے صوبائی وزیر صحت مولوی تمیز الدین خان سے رابطہ قائم کیا اور وہ بھی ہومیو پیتھک طریق علاج کو سرکاری طور پر منظور کروانے کے سلسلے میں۔

راست اقدام کے دنوں میں ان کا گھر نہ صرف یہ کہ تحریک پاکستان کے کارکنوں کی پناہ گاہ تھی بلکہ یہاں سے ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں سائیکلو اسٹائل کاپیاں عوام میں تقسیم کے لئے تیار کی جاتی تھیں جن میں تحریک کے متعلق تازہ ترین اطلاعات اور عوام کے لئے ہدایات درج ہوتی تھیں۔ روزنامہ "ڈان" دہلی اور اور اردو روزنامہ "منشور" کے لئے خبریں بھی یہیں سے بھیجی جاتی تھیں اور لاہور میں ان دنوں اخبارات کی تقسیم کا انتظام بھی یہیں سے کیا جاتا تھا۔ ڈاکٹر مسعود کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر محمد الیاس مسعود تحریک پاکستان اور تحریک راست اقدام میں صف اول کے کارکنوں میں تھے۔ وہ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے سیکرٹری جنرل اور فیڈریشن کے صدر جناب حمید نظامی کے قریب ترین احباب میں شامل تھے۔

ڈاکٹر مسعود ۱۵ نومبر ۱۸۹۷ء میں وزیر آباد کے مردم خیز خطے میں پیدا ہوئے اور اگست ۱۹۷۰ء میں انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ایک بھرپور زندگی گزار کر جب وہ خالق کائنات کے سامنے سرخرو ہو کر پیش ہوئے تو ان کے بعد ان کے فرزند ڈاکٹر الیاس' ڈاکٹر محبوب عالم نے ان کے مشن کو آگے بڑھایا۔ ان دونوں فرزند ڈاکٹر خالد مسعود قریشی اسی جذبے اور ولولے کے ساتھ اس مشن کو جاری و ساری رکھنے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں اور اس روشنی کو مزید فروزاں کرنے کے لئے وہ اپنے اور اپنے مرحوم برادران کے فرزندوں کی رہنمائی کر رہے ہیں۔


KHALID TRADERS
IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

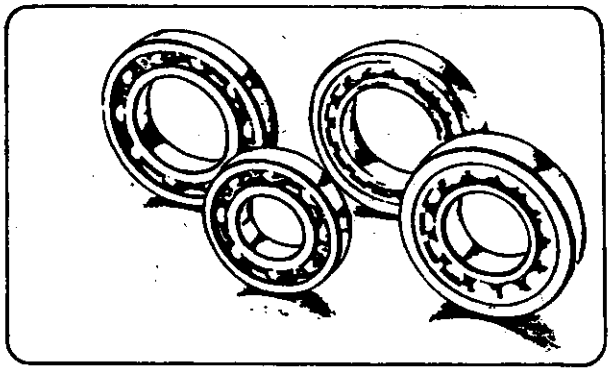

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735863-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

# روسیوں کو ناکوں چنے چبوانے والا عظیم مجاہد

# امام شامل رحمتہ اللہ علیہ

## لیسلے برانچ (leslay Branch) کی کتاب "The Sabres of Paradise" کا ایک باب

## جسے محترم اظہار احمد قریشی نے اردو زبان کے قالب میں ڈھالا ہے

حال کی چیچنیا اور روس کے درمیان جنگ نے ساری دنیا کو محو حیرت کر دیا کہ کس طرح روس جیسی ایک عظیم فوجی طاقت کو ایک چھوٹے سے ملک کے ہاتھوں شکست نصیب ہوئی جبکہ چیچنیا کو دنیا کا کوئی ملک کسی قسم کی کوئی امداد نہیں دے رہا تھا۔ اس حیرت انگیز کامیابی کے پس منظر میں جہاں اس قوم کی دلیری اور تنظیمی صلاحیتیں اور جذبہ حریت میں وہیں حضرت امام شامل ؒ کی تیس سالہ عظیم تحریک جہاد بھی ہے جو ۱۸۵۹ء میں ختم ہوئی۔ اس تیس سال کے دوران جتنا روس کا فوجی اور مالی نقصان ہوا اتنے نقصان سے روس ترکی سے لے کر جاپان تک کا علاقہ فتح کر سکتا تھا۔ یہ ایک روسی جنرل کا قول ہے۔

حضرت امام شامل اور ان کے ساتھیوں نے مسلمان قبائل کو روسیوں کے خلاف متحد کیا اور پھر اپنے علاقے میں شریعت کا قانون نافذ کر دیا اور لوگوں کو جہاد کے لئے تیار کیا۔ تیس سال تک حضرت امام شامل کی قیادت اور امامت میں مجاہدین روسیوں سے لڑتے رہے۔ اس دوران فتوحات بھی حاصل ہوئیں اور شکستیں بھی ہوئیں۔ لیکن ہر شکست کے بعد مجاہدین بہت سرعت رفتار سے اپنی از سر نو تنظیم کر لیتے تھے۔

حضرت امام شامل تاریخ اسلام کی بلند ترین شخصیات میں سے ہیں۔ ان بڑے آدمیوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔ میں نے اب تک امام صاحب پر تین کتابیں پڑھی ہیں اول "The Sabres of Paradise" جس کی مصنفہ Lesley Branch ہیں' دوسری کتاب پاکستانی میجر محمد حامد کی انگریزی میں امام شامل ؒ ہے اور تیسرا امام شامل پر رسالہ جہاد کشمیر یکم نومبر ۱۹۹۶ء میں مضمون کی پہلی قسط ہے۔

حضرت امام صاحب کو ۲۵/اگست ۱۸۵۹ء کو گونب کے مقام پر روسیوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے تھے۔ اس سے قبل وہ ایک حکمران تھے اور مذہبی پیشوا تھے اور ان کی ذاتی زندگی اس قدر تفصیل سے نہیں دیکھی جا سکتی تھی جتنی شکست کے بعد دیکھی گئی۔ چنانچہ میں نے اپنا ترجمہ اور تلخیص شکست کے بعد کے واقعات پر مشتمل اوپر درج شدہ تین میں سے اولین کتاب کے متعلقہ حصہ کا کیا ہے اور یہ ابھی جاری ہے۔

جس طرح ہم پاکستانیوں کو قائداعظم علیہ الرحمتہ اور حضرت علامہ اقبال کے ذکر پر خوشی ہوتی ہے۔ مجھے ویسی ہی خوشی حضرت امام شامل ؒ کے ذکر پر ہوئی ہے۔ ہم مسلمانوں کا ربط اپنی شاندار تاریخ اور عظیم الشان رہنماؤں کے کارناموں سے بہت ہی کم رہ گیا ہے۔ چیچنیا کا نام ہمیں صرف تین چار سال قبل ہی معلوم ہوا اور جناب امام شامل کے کارنامے بھی حال ہی میں ہمارے علم میں آئے۔ خدا کرے کہ میری اس کوشش سے ہمارا اسلاف سے تعلق بڑھے۔ آمین!

میرے ایک عزیز دوست کو اس مضمون کے پڑھنے سے شک ہوا کہ یہ روسی نقطہ نگاہ ہے۔ ایسا ہو تو سکتا ہے اس لئے میں مضمون کے قطعی درست ہونے کا یقین نہیں دلا سکتا۔ البتہ مخالفین کے نقطہ نگاہ سے واقف ہونا بھی ہمارے لئے ضروری ہے۔

اظہار احمد عفی عنہ

۲۴/ اگست ۱۸۵۹ء کی شام کو گونب کے گاؤں میں حضرت امام شامل صاحب نے آخری بار نماز کی جماعت کرائی۔ ان کے گاؤں کے چاروں طرف روسی فوج تھی۔ گونب کا گاؤں چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا۔ چٹانوں کے درمیان جہاں سے بھی باہر کا منظر دیکھا جا سکتا تھا تو روسی فوج کے خیمے اور سپاہی اور اسلحہ ہی نظر آتے تھے۔

روسی وائسرائے شہزادہ بیریاٹنسکی (Bariatnisky) کا ارادہ تھا کہ آخری ہلہ ۲۵/اگست کو بولا جائے۔ یہ دن شہنشاہ روس کا یوم پیدائش تھا۔ اس دن گونب کی فتح اور امام شامل کی شکست شہنشاہ کے لئے اچھا تحفہ ہو گا۔

حضرت امام شامل کو لمبے محاصرہ کی توقع تھی لیکن دشمن کے اتنی بڑی تعداد میں حملے سے امام صاحب کو حیرت ہوئی۔ ایک جانب سے روسی فوج محاصرہ سے اندر داخل ہوئی تو ایک سو مجاہدین جن کو مریدین کہا جاتا تھا نے زبردست مزاحمت کی لیکن اپنے سے دس گنا دشمن کے مقابلے میں شہید ہو گئے اور روسیوں کا راستہ نہ روک سکے۔ ایک دوسری جگہ پر چند مٹھی بھر مجاہدین جن میں عورتیں بھی شامل تھیں ایک روسی رجمنٹ پر حملہ آور ہوئے اور انتہائی بے جگری سے لڑ کر روسی سنگینوں پر شہید ہو گئے۔ روسی وائسرائے نے حکم دیا ہوا تھا کہ ممکن ہو تو امام شامل کو زندہ گرفتار کیا جائے۔ جناب امام پیچھے گونب گاؤں میں تھے۔ ان کے بیٹے ان کے ساتھ تھے اور جس طرح سے انہوں نے خدا کی خاطر زندگی گزاری تھی اسی طرح اب وہ خدا ہی کی خاطر مرنے کی تیاری کر رہے تھے۔

روسی وائسرائے نے دو مرتبہ لڑائی روکی اور امام صاحب کی جانب سفیر بھیجے کہ امام صاحب ہتھیار ڈال دیں۔ لیکن دونوں دفعہ امام صاحب نے بہت سخت انکار کر دیا۔ تیسری مرتبہ روسیوں نے الٹی میٹم بھیجا کہ یا تو غیر مشروط ہتھیار ڈالو ورنہ فوری طور پر سارے گاؤں پر گولے برسائے جائیں گے اور پھر کوئی زندہ نہیں بچے گا۔ پہلی مرتبہ جناب امام شامل

ہچکچائے۔ اگر وہ اکیلے اور ان کے بیٹے اور ان کے مرید ہی ساتھ ہوتے تو وہ موت ہی کا انتخاب کرتے۔ لیکن ان کے ساتھ ان کی بیویاں اور بچے تھے اور ان کے وفادار مجاہدین کی عورتیں اور بچے بھی تھے۔ تیس سالہ جہاد کے دوران صرف دو مرتبہ اس سے قبل امام صاحب نے عورتوں اور بچوں کا خیال لڑائی کے وقت کیا تھا۔

ان خوفناک لمحات کے دوران ان کے ساتھیوں میں سے کسی میں بھی یہ ہمت نہیں تھی کہ ہتھیار ڈالنے کی تجویز پر بات کرے۔ ایسی بات کرنے والے کے لئے ان کے ہاں موت کی سزا تھی اور ہمیشہ سے تھی۔ آخر کار امام صاحب کے بقایا نائبین نے امام صاحب کے بڑے بیٹے خاضی محمد کو ترغیب دلائی کہ وہ ہی اس موضوع پر بات کر سکتا ہے۔ انہوں نے خاضی محمد صاحب کو مسجد میں بھیجا جہاں امام صاحب نماز پڑھ رہے تھے۔ خاضی محمد صاحب نے دو مرتبہ امام صاحب کے ساتھ رکوع و سجود کئے لیکن وہ امام صاحب سے کچھ کہہ نہ سکے۔ تیسری مرتبہ امام صاحب نے ایک غمزدہ مسکراہٹ کے ساتھ خاضی محمد کو دیکھا اور کہا:

"مجھے معلوم ہے تم کیوں آئے ہو۔ تم اور سب لوگ چاہتے ہو کہ میں ہتھیار ڈال دوں۔ چلو پھر ٹھیک ہے ایسا ہی کر لیتے ہیں۔"

گویا عظیم امام صاحب روسی ہتھیاروں کے آگے نہیں جھکے بلکہ اپنے خاندان اور اپنے بقایا ساتھیوں کی محبت نے ان کو شکست دے دی۔

روسیوں نے ایک تجربہ کار اور اچھی شہرت رکھنے والے سفیر کو بھیجا جس کو امام صاحب ذاتی طور پر جانتے تھے۔ اس نے امام صاحب کے سامنے تعظیما سر جھکایا اور درخواست کی کہ وہ ہتھیار ڈال دیں۔ ساتھ ہی وعدہ کیا کہ امام صاحب' ان کے خاندان اور ان کے تمام ساتھیوں کی جانیں محفوظ رہیں گی اور فوری طور پر باعزت امن سمجھوتہ ہو جائے گا۔ آخری لڑائی ہاری جا چکی تھی۔ لیکن باعزت ہاری گئی تھی۔ امام صاحب نے فرمایا کہ قسمت میں یہی لکھا تھا اور اللہ کی رضا یہی تھی کہ اس کا غلام شامل تیس سال تک روسیوں سے لڑے۔ تمام معاملات کی ڈور خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ خدا کا لکھا ہوا اب یہی ہے کہ شامل روسی شہنشاہ کی اطاعت قبول کر لے۔ اس طرح امام صاحب نے راضی برضائے مولا کے اصول پر اپنی شکست تسلیم کر لی۔

امام صاحب کا چہرہ زرد لیکن سنجیدہ تھا اور جس وقت وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر روسیوں کو جانب چلے تو ان کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔ ان کے پیچھے ان کے پچاس مرید تھے۔ ان بڑی بڑی افواج جنہوں نے امام صاحب کی کمان میں شاندار کارنامے انجام دیئے تھے ان میں سے صرف یہی پچاس مجاہدین رہ گئے تھے۔ یہ سب بڑی خستہ حالت میں تھے۔ اور ان کے چہرے بھی بڑے میلے تھے۔ لیکن یہ بڑے فخریہ انداز میں اپنے سیاہ جھنڈے تھامے ہوئے تھے اور شاندار چالوں والے گھوڑوں کی لگامیں قابو کئے ہوئے تھے۔

روسی وائسرائے اپنے شکست خوردہ دشمن کا منتظر تھا اور اس کے چہرے پر بھی کوئی تاثرات نہیں تھے۔ وہ اپنے سٹاف کے درمیان بیٹھا تھا۔ امام صاحب کا مطالبہ یہ تھا کہ جن لوگوں نے امام صاحب سے غداری کی تھی اور روسیوں سے مل گئے تھے یہ لوگ امام صاحب کے ہتھیار ڈالنے کا منظر نہ دیکھیں۔ لیکن اس طرح کے لوگوں کی ایک بھیڑ وہاں جمع تھی۔ روسی وائسرائے کی یہ حرکت اس کے لئے ہمیشہ شرمناک سمجھی جائے گی۔

جب امام صاحب گونب گاؤں کے دروازے سے نکلے تو ایک دم سناٹا چھا گیا۔ روسی فوج چوکس ہو کر آنے والے کو دیکھ رہی تھی۔ آنے والا ان کا خوفناک دشمن تھا جس کے بارے میں بے شمار کہانیاں اور کہاوتیں مشہور تھیں اور جس نے موجودہ روسی افواج اور انہی افواج کی سابقہ نسلوں کی سخت مزاحمت کی تھی اس آنے والے کو کسی روسی نے ۱۸۳۷ء کے بعد نہیں دیکھا تھا۔ یہ عظیم انسان اب ہتھیار ڈالنے والا تھا۔ روسی فوج نے بڑے زور سے تالیاں بجائیں۔ حضرت امام صاحب کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور جب انہوں نے غداروں کو سامنے دیکھا تو انہوں نے گھوڑے کو واپس موڑنا شروع کیا کہ بے عزتی سے موت بہتر ہے۔ اس موقع پر روسی سفیر نے گھوڑا دوڑا کر امام صاحب کے پاس پہنچ کر انہیں روکا۔

روسی سفیر نے کہا کہ امام صاحب یہ لوگ تالیاں بجاتے ہیں چونکہ آپ ایک بہت بڑے سردار ہیں اور بہت بڑے بہادر ہیں۔ آپ ان لوگوں کو دکھلائیں کہ جس طرح آپ فتوحات کے دوران شیر دل تھے اسی طرح آپ شکست کے موقع پر بھی دل کے شیر ثابت ہوں گے۔ بات بڑے اچھے انداز میں کہی گئی تھی۔ چنانچہ امام صاحب نے باگیں کھینچ لیں اور کچھ ہچکچائے لیکن پھر ایک سنجیدہ اور باوقار چہرے کے ساتھ جس کے تاثرات ہمیشہ کی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتے تھے وہ ہتھیار ڈالنے کے لئے آگے بڑھ گئے۔ جس وقت وہ گھوڑے سے اترے تو کچھ روسی افسر آگے بڑھے گویا کہ وہ امام صاحب کے ہتھیار اتروانا چاہتے تھے لیکن امام صاحب نے بڑے شاہانہ اور مقتدر انداز سے انہیں دھکیلا کہ وہ گر پڑے۔ امام صاحب آہستہ قدموں کے ساتھ وہاں گئے جہاں روسی وائسرائے ان کا انتظار کر رہا تھا۔ اروسی وائسرائے نے امام صاحب کو بتلایا کہ میں ذاتی طور پر امام صاحب کے خاندان کی زندگیوں کی حفاظت کا ذمہ دار ہوں لیکن امام صاحب کی ذات کے متعلق فیصلہ صرف روسی شہنشاہ ہی کرے گا۔ امام صاحب سر جھکائے کھڑے تھے گویا کہ وہ روسی وائسرائے کے الفاظ نہیں سن رہے تھے پھر آہستہ سے امام صاحب نے اپنا ہتھیار کھولا جو کہ ایک نہایت درجہ شاندار اور خوبصورت ہتھیار تھا اور اسے انتہائی باوقار اور عجز و انکسار کے انداز سے روسی وائسرائے کو پیش کیا اور کہا کہ میں اپنی تلوار کو غیر معروف اور نااہل ہاتھوں میں دیکھنا نہیں چاہوں گا۔ سردار یہ میں آپ کو دیتا ہوں کیونکہ آپ نے مجھے اور میری فوج کو فتح کیا ہے۔

امام صاحب نے ایک لمحہ کے لئے اپنی چندھیائی ہوئی آنکھوں کو پورا کھولا اور اس طرح روسی وائسرائے کا پورا پورا احترام کیا۔ پھر دوبارہ جھکے اور پیچھے ہٹ گئے اب وہ ایک قیدی تھے۔ اب وہ انتہائی دلیر جنگجو اور ایک بڑے علاقے کے امام نہیں تھے اب وہ خدا کی راہ کے ایک عاجز مسافر تھے۔ وہ اپنی اسی حیثیت کو بیان کیا کرتے تھے پچھلی زندگی کی نشانی ان کے جسم پر صرف اٹھارہ تلوار کے زخم ہی رہ گئے تھے۔

روس کے شہنشاہ زار الیگزینڈر دوم کی فطرت عالیہ کی ایک مثال ہے کہ اس نے اپنے قیدی امام شامل صاحب کے ساتھ بڑا فراخدلانہ سلوک کیا۔ اگر اس کے والد نکولس ہوتے تو اتنی عظمت نہ دکھلاتے جتنی موجودہ زار نے دکھلائی۔ چیچنیا کے علاقے میں لڑائی شہنشاہ کے لئے بہت تکلیف دہ تھی اور وہ اسے اپنی ذات سے دشمنی سمجھتا تھا اور اپنی طاقت کے لئے چیلنج سمجھتا تھا اور یہ ضدی انسان امام شامل اس ذاتی دشمنی کے پیدا کرنے کا ذمہ دار تھا۔ لیکن شہنشاہ خون خرابے سے نفرت کرتا تھا اور اسے اپنے بلند مرتبہ کا اتنا احساس نہیں تھا اور اس نے چیچنیا کے علاقے کے متعلق اپنے وائسرائے کے خیالات اچھی طرح سمجھ لئے تھے۔ شہنشاہ کے نزدیک امام شامل ایک ذاتی

دشمن نہیں بلکہ ایک عظیم لیڈر تھے۔ شہنشاہ امام صاحب سے ملاقات کے لئے بے چین ہو گئے اور حکم دیا کہ امام صاحب کو فوراً شمال کی جانب روانہ کر دیا جائے۔ اس کا حکم قطعی واضح تھا کہ امام صاحب کی ہر طرح عزت کی جائے۔ امام صاحب کی فوجی کمانڈروں' چیدہ شہریوں اور معزز لوگوں سے راستے میں ملاقاتیں کرائی جائیں۔ سفر کے دوران امام صاحب گورنروں کے مکانوں میں ٹھہرائے جائیں۔ اس کے علاوہ ہر شہر کے تمام افسر اپنے مکمل لباس میں جن پر تمغے بھی ہوں' امام صاحب کی تعظیم بجالائیں۔ امام صاحب کو ماسکو اور لینن گراڈ کی سیر کرائی تھی تاکہ وہ شہروں اور اداروں اور عدالتوں سے واقف ہو جائیں اور پھر وہ کسی صوبہ میں مقیم ہو جائیں۔ زار نے فیصلہ کیا کہ وہ خود ذاتی طور پر امام صاحب کی رہائش اور الاؤنس وغیرہ کے معاملات کی نگرانی کرے گا۔

لیکن امام صاحب کو جس وقت گونب سے لے جایا گیا تو انہیں شہنشاہ کے احکامات کا کوئی علم نہیں تھا۔ وہ خدا کے راستے کے ایک عاجز مسافر تھے اور روسی وائسرائے کے قیدی تھے۔ جب امام صاحب روسی فوج کے نرغے میں گھوڑے پر سوار جانے لگے تو ہزاروں معتقد لوگ پہاڑوں سے نکل آئے تاکہ امام صاحب کا آخری دیدار کر سکیں۔ لوگ ان کی سواری کے ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے اور امام صاحب کی تلوار کے خول کو چوم رہے تھے۔ ان کے گرد جو کچھ ہو رہا تھا امام صاحب اس سے بیگانہ معلوم ہوتے تھے۔ ان کی آنکھیں چندھیائی ہوئی تھیں اور وہ من کی دنیا میں ہی آباد تھے۔ ان کا چہرہ سنجیدہ تھا اور اندر جذبات بہت زیادہ گہرے تھے۔

امام صاحب کی شخصیت کے بارے میں ان کی آخری عمر کی نظر بندی کے دوران ہی کچھ معلوم ہو سکا۔ اس سے قبل تو ان کے متعلق حیرتناک اور خوفناک کہانیاں ہی مشہور تھیں۔ تاہم اس زمانے میں بھی امام صاحب کے جاننے والوں نے جو یادداشتیں لکھی ہیں ان میں بھی بہت اختلافات ہیں اور بہت کچھ لکھنے سے رہ گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ امام صاحب اپنے متعلق کچھ بتلانے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ میری ذات میں دلچسپی لی جائے۔ میں تو خدا کے احکام بجالانے والا تھا اور اب میں خدا کے راستے کا ایک عاجز اور لاچار مسافر ہوں۔ ایک روسی عورت لکھتی ہے کہ میں بہت سی ایسی دلچسپ باتیں بھول گئی ہوں جو کہ امام صاحب نے اپنی زندگی کے بارے میں بیان کیں۔ چنانچہ تاریخ میں امام صاحب کے ان آخری سالوں کے متعلق صرف چھوٹی چھوٹی باتیں ہی ہیں اور امام صاحب کی شخصیت اب تک ایک راز ہی ہے۔ البتہ ان تفصیلات کی روشنی میں امام کی شخصیت بڑی سچائی کے ساتھ ظاہر ہوئی ہے اور ان کی جو تصویر چھوٹے شہروں کی محفلوں کی روداد سے بنتی ہے وہ ان کے جنگوں کے حالات اور واقعات سے بنی ہوئی تصویر سے زیادہ واضح ہے۔ لوگوں نے امام صاحب کو بالکل قریب سے دیکھا۔ وہ اس دور میں نہ تو بڑے سپہ سالار تھے نہ وہ بڑے لیڈر تھے۔ وہ تو صرف ایک معزز اور سادہ انسان تھے جو کہ اپنی فتوحات کے زمانے کی مانند اب ناکامی کے زمانے میں بھی انتہائی شریفانہ کردار اپنائے ہوئے تھے۔ البتہ امام صاحب کے لئے یہ آخری دور بڑا مشکل تھا کہ انہیں حالات کے مطابق خود کو بدلنا پڑا اور ان کے علم میں بہت سی چونکا دینے والی اقدار آئیں۔

اپنے ہتھیار ڈالنے کے کئی سال بعد امام صاحب نے بتلایا کہ وہ اس وقت بالکل مایوس تھے اور انہیں روسی وائسرائے سے ہرگز کسی رحم کی توقع نہیں تھی بلکہ خیال تھا کہ روسی وائسرائے انہیں گالیاں دے گا۔ امام صاحب خود اپنی تلوار سے خودکشی کرنے کے لئے تیار تھے۔ لیکن روسی وائسرائے کے شریفانہ سلوک نے انہیں حیران کر دیا اور جب انہیں اپنے ساتھ باعزت برتاؤ ملا تو انہوں نے باعزت ہتھیار ڈال دیئے اور اپنی تلوار پیش کر دی۔ ان کے اندر کے راسخ العقیدہ پرجوش مسلمان کو ان حالات میں رحم کی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ انہیں اور ان کے بیٹوں کو اور ان کے نائبین کو قتل کر دیا جائے گا اور ان کا راستہ سیدھا مقتل کی جانب جاتا ہے۔

گونب میں جب روسی سفیر امام صاحب کے بڑے بیٹے خاضی محمد اور بقایا نائبین کو لینے کے لئے گئے تو کہرام مچا ہوا تھا۔ تمام لوگ بشمول خواتین اور بچے سجدے میں پڑے ہوئے تھے اور خدا سے امام صاحب کی سلامتی کے لئے دعا مانگ رہے تھے۔ ان کے لئے اب اپنی زندگیاں بے کار تھیں۔ روسی سفیر نے ان سب کو امام صاحب کے خیمہ میں پہنچا دیا۔ اس پر رونے اور گڑگڑانے کی آواز دوگنی ہو گئی۔ اگلے روز امام صاحب کے خاندان کو تیمر خان شوریٰ لے جایا گیا لیکن یہ سفر بجائے قیدیوں کے سفر کے ایک پکنک کے طور پر کرایا گیا۔ یہ ان کے نوجوان لیفٹیننٹ انچارج دمیتری نامی کی وجہ سے ہوا جو امام صاحب کی زبان بھی بول سکتا تھا اور جس نے خوب مٹھائیاں پیش کیں۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کے لئے ایک میوزیکل بکس بھی خریدا۔ اس ہمدردانہ سلوک نے سب کے دل جیت لئے۔ امام صاحب کی بیوی شوآنیٹ کی آنکھیں بھی خشک ہو گئیں اور دوسری بیوی زیدیت بھی بہت خوشگواری محسوس کرنے لگی۔ یہ لوگ نوجوان دمیتری کو ہمارا دمیترو دمیترو کہنے لگے اور جب اس نوجوان نے ان کے لئے خوبصورت نئے لباس بنوائے تو سب لوگ بچوں کی طرح اس کے گرویدہ ہو گئے۔ لڑائی کے آخری مہینوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ اور پھر تیسری جگہ منتقل ہونے کی وجہ سے سب کے لباس بالکل پھٹے پرانے تھے۔ امام صاحب کے لئے بھی فوجی درزی نیا لباس تیار کر رہے تھے۔

۳/ ستمبر کو امام صاحب نے ہمیشہ کے لئے چیچنیا کے علاقے کو خیرباد کہا۔ ان کے ہمراہ ان کے بڑے بیٹے خاضی محمد اور چند نائب اور ملازم۔ ایک ترجمان اور ایک انچارج روسی کرنل تھے۔ اس طرح یہ قافلہ شمال کی جانب روانہ ہو گیا۔ امام صاحب کے چھوٹے بیٹے محمد شفیع بقایا خاندان کے ساتھ تیمر خان شوریٰ میں رہ گئے۔ روسی کمانڈر انچیف نے اپنی گاڑی امام صاحب کو پیش کر دی اور رستہ میں آکر ادب اور احترام سے ان سے ملا۔ مغربی جانب کا عظیم سلسلہ کوہستان بھی بادلوں میں چھپ جاتا اور کبھی صاحب نمودار ہو جاتا گویا یہ پہاڑ اپنے اس عظیم فرزند کو جو ان کے درمیان پیدا ہوا اور جس نے ان کی خاطر جنگیں لڑیں آخری سلام پیش کر رہے تھے۔ امام صاحب ان پہاڑوں کو نہیں دیکھ رہے تھے اور نہ انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ تو بل کھاتے ہوئے رستہ کو مقناطیس کی مدد سے دیکھ رہے تھے۔ جب بھی راستہ کا رخ مشرق کی جانب مڑتا تو ان کے چہرے پر اضطراب کے آثار نمایاں ہو جاتے اور وہ اپنے آپ کو سائبیریا کی شہادت گاہ کے لئے تیار کرتے۔

اس سے آگے جب وہ بڑھے اور کم بلند پہاڑیوں کے علاقے میں آئے تو حالات میں نہایت غیر معمولی تبدیلی آگئی۔ اب سفر نے فتح کے جلوس کی شکل اختیار کر لی۔ جہاں بھی امام صاحب ٹھہرے وہاں ان کی آمد کی خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی اور مشتاق ہجوم ان کا منتظر تھا۔ جہاں بھی گھوڑے بدلنے کے لئے گاڑی ٹھہری وہاں ایک جشن کا سماں بن گیا۔ ایک جگہ فوجی افسروں کی بیویاں گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے آئیں اور انہوں نے امام صاحب کے گلے میں ہار

ڈال کر ان کا استقبال کیا۔ ان عورتوں کے خاوند' بھائی اور بیٹوں نے اپنی زندگیاں امام صاحب کے خلاف لڑتے یا مرتے گزاری تھیں۔ یہ امام صاحب کی تعظیم بجالا رہی تھیں۔

سارے راستہ امام صاحب کو ایک ہیرو کا استقبال دیا گیا۔ جن سپاہیوں نے لمبی اور تلخ لڑائیاں امام صاحب کے خلاف لڑی تھیں۔ وہ اب ان کے گرد ہجوم کی صورت جمع ہو گئے اور ان کے افسر امام صاحب کی دعوتوں کی تیاری کرنے لگے۔ امام صاحب کچھ لاتعلق سے رہے لیکن وہ مشکور اور خوش نظر آتے تھے۔ امام صاحب کے نائبین سخت حیرت میں معلوم ہوتے تھے۔ ایک اور جگہ بہت سی گاڑیاں اور سوار امام صاحب کو ملنے کے لئے آگے آئے اور ان کو ساتھ لے کر شہر میں گئے جہاں سڑکوں کے دونوں طرف پرجوش ہجوم جمع تھے۔ لیکن امام صاحب کو یہ سب کچھ کھیل تماشا ہی معلوم ہو رہا تھا اور انہیں یہ سفر پھانسی کے تختے تک لے جاتا محسوس ہوتا تھا۔ ایک اور شہر میں ہجوم امام صاحب کی گاڑی کے پیچھے دوڑا اور ان کو خوش آمدید کہا یا جس گھر میں امام صاحب ٹھہرے اس کے سامنے تعظیما کھڑا رہا ہے۔ امام صاحب کی عزت افزائی کی خاطر پارک میں روشنیاں کی گئیں۔ ایک گروپ نے خاص طور پر لکھے گئے گانے گائے اور بھرپور آتش بازی کے دوران ریلوے اسٹیشن پر ایک ناچ بھی منعقد کیا گیا۔

امام صاحب کے لئے حیرت ناک اور ناقابل تصور ریلوے اسٹیشن کا منظر آنکھوں کو چندھیا دینے والا ثابت ہوا ہوگا۔ کس قدر تعجب سے انہوں نے پہلی مرتبہ ریل اور انجن دیکھے ہوں گے۔ ان کے کسی بھی مرید کو اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔ یہ جگہ سٹاورد پول تھی اور صوبائی دارالحکومت تھی۔ خاضی محمد صاحب نے اس جگہ کی شان و شوکت سے مرعوب ہو کر پوچھا کہ کیا روس کا دارالحکومت لینن گراڈ اس سے بھی زیادہ بڑا ہو سکتا ہے۔

۱۳/ ستمبر کو یہ لوگ خارکوف پہنچے جہاں زار روس کا ایک نمائندہ ان کا منتظر تھا۔ زار نزدیک ہی اپنی فوجوں کا معائنہ کر رہا تھا اور چاہتا تھا کہ امام صاحب فوراً وہاں پہنچیں اور اس سے ملاقات کریں۔ جب ان پہاڑی لوگوں کو بتلایا گیا کہ وہ شہنشاہ روس سے ملاقات کے وقت اپنے ہتھیار اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں تو انہیں اپنے کانوں پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔ اس پر ایک روسی کرنل نے عیسائی اعتقادات کی وضاحت کی جن میں دشمنوں کے لئے معافی' خیر خواہی وغیرہ پر زور دیا گیا تھا تو ان سب کو بڑی حیرت ہوئی۔ امام صاحب نے بڑے غور سے سنا لیکن کچھ نہیں کہا اور اور چندھیائی ہوئی نظروں سے وہ اپنے اندرونی خیالات میں ہی مگن رہے۔ زار روس اور امام صاحب کی ملاقات ایک پریڈ کے موقع پر ہوئی جس میں جھنڈے لہرا رہے تھے۔ فوجی بینڈ بج رہے تھے اور دوڑتے ہوئے گھوڑے گرد اڑا رہے تھے۔ زار نے پوری کوشش کی کہ امام صاحب کو یہ محسوس ہو کہ ان کی عزت کی جا رہی ہے تذلیل نہیں کی جا رہی۔ امام صاحب گھوڑے پہ سوار جب اپنے فاتح سے ملنے گئے تو اپنی پرانی شان و شوکت میں تھے۔ لمبا سفید چغہ پہنا ہوا تھا۔ سر پر بڑی پگڑی تھی۔ خاموش تھے اور فخریہ انداز تھا۔

زار نے کہا مجھے بڑی خوشی ہے کہ آپ روس میں ہیں۔ کاش یہ اس سے پہلے ہو جاتا۔ آپ کو اس پر افسوس نہیں محسوس ہوگا۔ میں آپ کے مفادات کی نگرانی کروں گا اور ہم دو دوست بن جائیں گے۔ یہ کہتے ہوئے زار روس امام صاحب سے بغلگیر ہوا۔ امام صاحب بھی ایک غیر مسلم سے ملتے ہوئے ہچکچائے نہیں اور اس کے بعد سے ان کے تمام خدشات ختم ہو گئے۔ زار نے امام صاحب کو اپنے ساتھ رکھا اور دوستانہ طریقہ پر جنگی چالوں پر گفتگو کرتا رہا۔ یہ گفتگو امام صاحب کو بہت پسند تھی۔ زار نے یہ بھی اصرار کیا کہ امام صاحب اس کے ساتھ گھوڑے پر پر سوار ہو کر فوجوں کا معائنہ کریں۔ زار نے امام صاحب کو یہ بھی کہا کہ مجھے تو بڑی حیرت ہوئی کہ ہمارے وائسرائے نے گونب فتح کر لیا۔ کس قدر محفوظ جگہ بنائی گئی تھی۔ میرا تو خیال تھا کہ اس میں کوئی داخل نہیں ہو سکے گا۔ اس دن شام سے پہلے پہلے شکست کی تلخی امام صاحب کو بھول گئی۔ روس میں یہ نئی زندگی بھی خدا کے ارادہ کے مطابق تھی۔ قسمت میں یہی لکھا تھا کہ وہ گونب سے لینن گراڈ پہنچیں اور امام صاحب کو خدا کا یہ فیصلہ منظور تھا۔

---

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مرد کہستانی!
اقبال

---


## ضرورت رشتہ

اچھے کھاتے پیتے گھرانے کی ایک دینی مزاج رکھنے والی تعلیم یافتہ' باپردہ لڑکی کے لئے جس نے بی ایس سی کے بعد ایک سال دینی تعلیم کے حصول پر بھی صرف کیا ہے' دینی تحریکی مزاج کے حامل' مالی طور پر مستحکم گھرانے سے رشتہ مطلوب ہے۔

برائے رابطہ
ع س۔ معرفت "ندائے خلافت"
36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور


## لاہور اور ڈھاکہ --- ترکی بہ ترکی

عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان میں ۱۶۲ میں سے ۱۶۰ نشستیں جیت کر زبردست معرکہ مارا مگر مغربی پاکستان میں ایک سیٹ بھی حاصل نہ کر سکی۔ اسی طرح ذوالفقار علی بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی نے مغربی پاکستان میں ۱۳۸ میں سے ۸۱ نشستیں جیت کر مغربی پاکستان میں اکثریت حاصل کر لی مگر وہ مشرقی بازو میں ایک بھی امیدوار کھڑا نہ کر سکی.... بھٹو نے ۳۰ دسمبر کو انتخابات کے بعد لاہور میں کہا "میری جماعت کے تعاون کے بغیر نہ تو کوئی دستور بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی مرکز میں کوئی حکومت چلائی جا سکتی ہے" مسٹر بھٹو نے کہا پنجاب اور سندھ طاقت کے سرچشمے ہیں' جن میں ان کی پارٹی کو اکثریت حاصل ہے۔ اس لئے مرکز میں قائم ہونے والی کسی بھی حکومت کا ان سے تعاون حاصل کرنا ضروری ہوگا۔

ڈھاکہ میں عوامی لیگ کے جنرل سیکرٹری مسٹر تاج الدین نے مسٹر بھٹو کے اس بیان کا ترکی بہ ترکی جواب دیا انہوں نے کہا "عوامی لیگ ملک کا دستور بنانے اور مرکز میں حکومت چلانے کی پوری اہلیت رکھتی ہے ہم کسی دوسری پارٹی کے تعاون سے --- اور اس کے بغیر بھی --- یہ کام انجام دے سکتے ہیں۔ پنجاب اور سندھ اب طاقت کا سرچشمہ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

۲ مارچ کی شام کرفیو لگانے کا اعلان ہوا اور فوج کرفیو کو نافذ کرنے کے لئے شہر میں داخل ہوئی۔ دوسری طرف عوامی لیگ نے کرفیو کی خلاف ورزی کے لئے اپنے کارکن بھیج دیئے --- فوجیوں کو حکم تھا کہ کرفیو نافذ کرنا ہے مگر گولی نہیں چلانی۔ ادھر عوامی لیگ کے کارکنوں کو ہدایت تھی کہ کرفیو کو توڑنا ہے خواہ اس میں جان ہی چلی جائے۔

## بقیہ : عبدالکریم عابد

جاتا تو مشرقی پاکستان کو خاک و خون میں نہانے کی ضرورت نہیں تھی۔ معلوم نہیں صدر یحییٰ کو اسمبلی کے اجلاس کے التوا کا عظیم بگاڑ پیدا کرنے والے اقدام کا مشورہ کس کمبخت نے دیا تھا"۔

۱۳/ مارچ ۷۱ء کے مقالہ خصوصی میں لکھا گیا تھا :

"پاکستان کے لئے اول تو یہ بات بہت شرمناک ہے کہ وہ اپنی کثیر آبادی کے ایک علاقے پر اسی طرح سے حکومت کرے جیسے پرتگال اپنے مقبوضات پر حکومت کرتا ہے پھر پاکستان اس شرمناک حرکت کا ارادہ کرے' تب بھی عملاً پاکستان کی حکومت اور فوج کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے آپ کو کامیاب سامراج ثابت کر سکے۔ ایک ایسا ملک جو اپنی ضروریات کے لئے دوسروں کا محتاج ہو اور سر سے پیر تک قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہو وہ اگر سامراج بننے کے خبط کا شکار ہو گا تو اسے شکست ہو گی اور ذلت اٹھانی پڑے گی"۔

یہ صرف چند اقتباسات ہیں اور اس طرح کے اور بھی کئی مقالات تھے جن میں بہت کچھ لکھا گیا تھا اور اس لکھنے کی پاداش میں اکثر مجھے مارشل لا ہیڈ کوارٹر طلب کر کے دھمکیاں بھی دی جاتی تھیں بعد میں اخبار پر سنسر بھی لگا دیا گیا۔

سانحہ مشرقی پاکستان کے سلسلہ میں اکثر ذمہ داری یحییٰ خان اور بھٹو پر ڈال کر ہم لوگ سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ تو ایک غلط ذہنیت اور غلط طاقت کے مظہر اور آلہ کار تھے۔ غلط طاقت اور غلط ذہنیت جس نے مشرقی پاکستان کو الگ کیا خود ہمارے ہاں آج بھی موجود ہے' اگر اس کا انسداد نہیں کیا گیا تو ابھی اور بڑا المیہ ہمیں دیکھنا ہو گا۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

## مجیب الرحمٰن کی گوہر افشانیاں

۱۹۶۶ء میں غیر ملکی نامہ نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے مجیب الرحمٰن نے اعلان کیا کہ میں کسی کی نوآبادی کے طور پر مزید زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ ہماری حکومت' کشمیر میں ریفرنڈم کے لئے برسرپیکار ہے' اسے چاہیے کہ وہ مشرقی پاکستان میں چھ نکات پر ریفرنڈم کرائے۔ دنیا دیکھے گی کہ پچاسی فیصد عوام میرے ساتھ ہیں۔

☆ ☆ ☆

۱۰ اکتوبر ۱۹۶۹ء میں لندن کے دورہ کے دوران مجیب الرحمٰن نے اپنے ایک دوست کو خفیہ ملاقات کے دوران بتایا کہ "مشرقی پاکستان کی علیحدگی بسرصورت ناگزیر ہے..... اس وقت پاک فوج ہماری راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

☆ ☆ ☆

دسمبر ۱۹۷۰ء میں شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ "ہم مکمل خود مختاری کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں اور اگر جمہوری عمل کو روکا گیا تو ہم عوام کو گلیوں میں لے آئیں گے تاکہ ہم آزاد قوم کے طور پر زندہ رہ سکیں۔

☆ ☆ ☆

رنگپور میں ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا عوامی لیگ کے چھ نکات سے پاکستان تباہ نہیں ہو جائے گا۔ بی بی سی ٹیلی ویژن کے نمائندے کے ڈیوڈ فراسٹ کو انٹرویو دیتے ہوئے شیخ مجیب الرحمٰن نے بتایا کہ وہ ۱۹۴۸ء سے بنگلہ دیش کی آزادی کے لئے کام کر رہے تھے۔ جنوری ۱۹۷۲ء کو ڈھاکہ میں رمنا ریس کورس پارک میں خطاب کرتے ہوئے شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا "میں اسی آزادی کے لئے گزشتہ پچیس برسوں سے کوشاں رہا ہوں میرا خواب اب شرمندہ تعبیر ہوا ہے۔

☆ ☆ ☆

انتخابات کے فوراً بعد ڈھاکہ میں آر سی ڈی کے ایک اجلاس کے وقت ایران اور ترکی کے وزرائے خارجہ نے حکومت پاکستان کی اجازت سے مجیب الرحمٰن سے ملاقات کی مجیب الرحمٰن نے اس ملاقات کے دوران کہا کہ وہ پاکستان کے وزیراعظم کی بجائے بنگلہ دیش کے بانی بننا زیادہ پسند کریں گے۔

☆ ☆ ☆

مجیب الرحمٰن نے اپنے پارٹی لیڈروں سے کہا کہ "ہم اپنا کام دکھا چکے ہیں اب اسے (بھٹو کو) اپنا کام کرنے دیں"۔

☆ ☆ ☆

ایوب خان نے مجھے مقبولیت کی ایسی معراج پر پہنچا دیا ہے کہ اب کوئی شخص میری مرضی کے خلاف نہیں جا سکتا۔ کوئی شخص مجھے "نہ" نہیں کہہ سکتا۔ حتیٰ کہ یحییٰ خان بھی میرے مطالبات رد نہیں کر سکتا۔

**اہم**

قارئین کرام نوٹ فرمالیں کہ آئندہ "ندائے خلافت" کا باقاعدہ شمارہ ہر پندرہ دن بعد شائع ہونے کی بجائے مہینے میں ایک بار "ماہانہ ایڈیشن" کے طور پر شائع ہوا کرے گا۔ اس ماہانہ ایڈیشن کی ضخامت چونکہ سابقہ پندرہ روزہ اشاعت کے مقابلے میں قریباً دوچند ہو گی' لہٰذا سالانہ زرتعاون کی شرح میں کوئی فرق واقع نہیں ہو گا۔ ہماری کوشش ہو گی کہ پرچے کو مضامین کے اعتبار سے زیادہ متنوع' بھرپور اور دلچسپ اور اس کے مجموعی گٹ اپ کو مزید بہتر بنائیں۔ مضامین کی سرخیوں کے انداز میں تبدیلی کا آغاز اسی شمارے سے کر دیا گیا ہے --- قبل ازیں ماہ دسمبر میں ندائے خلافت کا ایک پندرہ روزہ ایڈیشن شائع ہو چکا ہے۔ لہٰذا زیر نظر شمارے کو جو عام پرچے کے مقابلے میں تین گنا زیادہ ضخیم ہے' جنوری ۱۹۹۷ء کے ماہانہ ایڈیشن کے قائم مقام سمجھا جائے۔

# آہ ! ہمارا مشرقی پاکستان

25 سال قبل ہماری نالائقیوں کے سبب ہم سے ہمارا پیارا مشرقی پاکستان جدا ہو گیا۔

مشرقی پاکستان میں ہم نے تعمیرات کے دو کام کئے تھے۔ ایک 55ء کے دوران چھتک سیمنٹ فیکٹری ضلع سلہٹ کی توسیع۔ دوسرا 66ء میں ڈھاکہ کے نزدیک ٹانگی میں ہونڈا موٹر سائیکل کا پلانٹ۔ ان کاموں کے سبب اس دور دراز علاقہ سے ایک خصوصی قلبی تعلق قائم ہو گیا اور 17 / دسمبر 71ء کی خبر ایک بہت بڑے صدمہ کی شکل میں پہنچی۔

بقایا پاکستان اب ایک بڑے چیلنج کی صورت میں ہمارے سامنے ہے کہ ہم خود کو اس مملکتِ خداداد کے مستحق ثابت کرتے ہیں یا نہیں۔ ہم میں سے ہر مرد و عورت کو اس چیلنج کے لئے قربانی دینے کی تیاری کرنی چاہئے۔


اظہار احمد قریشی، عفی عنہ

چیئرمین

اظہار گروپ آف کمپنیز

3۔ ریواز گارڈن، لاہور

فون : 9-7320108 فیکس : 7359378